باسمہ تعالیٰ

بیادگار:۔ سلطان المناظرین علامہ الحاج الشاہ مفتی عتیق الرحمٰن خاں نعیمی المعروف بہ ''بابائے ملت'' بانی جامعہ مٹھنا

سرپرستی

استاذ العلماء حضرت علامہ الحاج
مفتی زین العابدین
سابق صدرالمدرسین جامعہ مٹھنا

نقیب مسلک اعلیٰ حضرت

سال نامہ
شعاع فیضان رضا
جامعہ مٹھنا

بتائید روحانی

ممتاز الادباء، مفکر ملت حضرت علامہ
حکیم شاہ محمد کیفی بستوی
سابق نائب صدر المدرسین جامعہ مٹھنا

نگراں

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ
مولانا مختار احمد قادری حی
صدرالمدرسین جامعہ مٹھنا وشیخ الحدیث شعبۃ البنات

مشیر اعلیٰ

آبروئے صحافت مفکر عصر حضرت علامہ
ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی
ایڈیٹر ماہ نامہ ''المشاہد'' جمدا شاہی بستی

مدیر اعلیٰ
ازہر القادری

نائب مدیر
احمد رضا امجدی

مدیر مسئول
بدرالدین احمد نوری

مجلس مشاورت

اساتذۂ کرام جامعہ مٹھنا
پروفیسر غلام یحیٰ انجم حی دہلی
سید جاوید قمر، ایڈیٹر ''سیاسی تقدیر'' دہلی
مولانا فتح احمد بستوی حی افریقہ
مولانا محبوب علی صدیقی چنزوٹا نیپال
مولانا محمد شمیم القادری بڑھیا
مولانا رفعت اللہ علیمی مہراج گنج
مفتی ریاض حیدر حنفی اترولہ
مفتی شبیر احمد برکاتی ملدہ
مولانا محمد الیاس حی گونڈہ
مولانا الحاج محمد انور حسن برکاتی
قاری نظام الدین خاں بلرام پور
مولانا صفی اللہ شمیم القادری سرسیا
مولانا وصال احمد اعظمی امیٹھی
مولانا مشتاق احمد برکاتی نیپال
مولانا نور محمد خالد حی نیپال
مولانا حکیم محمد اسرائیل خان اٹوا

منتظم کار

محمد عباس ازہری || التجا حسین نور صدیقی
مشتاق احمد قادری

مئی ۲۰۱۸ء مطابق شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ
تا
اپریل ۲۰۱۹ء مطابق رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

جلد نمبر 1 شمارہ نمبر: 1

قیمت: ۳۰؍روپے

YEARLY
SHUAAYE FAIZANE RAZA
JAMIA MATEHNA
Po.Khandsari,Distt.Siddharth Nagar
(U.P.) INDIA 272192
Mob.9559494786,9450387786,9005643555,7379143119
email:sfraza78692@gmail.com https://chat.whatsapp

نوٹ:۔ مضمون نگار کی ہر رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ (ادارہ)

مجلس ادارت

قاری عبدالرحمٰن خان بریلی شریف
مولانا جمال احمد رضوی براؤں شریف
مفتی عبدالحکیم نوری بھوانی پور
مفتی محمود علی مشاہدی حی مبارک پور
مفتی ازہار احمد امجدی ازہری بستی
مفتی عبدالمالک حی جمشید پور
مولانا کوثر امام قادری مہراج گنج
مولانا نورالحسن ازہری پچپڑوا
مولانا کمال احمد علیمی جمدا شاہی
مولانا نورالہدیٰ حی گورکھپوری
مولانا فیاض احمد حی شراوستی
مولانا سلمان رضا فریدی حی عمان
مولانا محمد آزاد رضوی بنارس
مولانا محمد اقبال نوری مارہرہ شریف
مولانا محمد فضل حق بستوی
مولانا عبداللہ عارف صدیقی شہرت گڈھ
مولانا صاحب علی یار علوی بندیشر پور

ترسیل زر خط وکتابت کا پتہ
دفتر سال نامہ ''شعاع فیضان رضا'' جامعہ اہل سنت امداد العلوم مٹھنا، کھنڈسری، سدھارتھ نگر (یو۔ پی۔) انڈیا

طلبہ ''بزم فیضان رضا'' جامعہ مٹھنا نے مکتبہ قادریہ اٹوا بازار کی معرفت چھپوا کر دفتر سال نامہ ''شعاع فیضان رضا'' سے شائع کیا۔

شعاعیں

کلام رضا بشکل تضمین

ہاتھ میں جب مصطفیٰ کے عشق کی تلوار ہے
پھر سمجھیے حشر کے دن اپنا بیڑا پار ہے
مت پریشاں ہو، بھلے سر پر گنہ کا بار ہے
مژدہ باد اے عاصیو! شافع شہ ابرار ہے
تہنیت اے مجرمو! ذات خدا غفار ہے

غم کے مارے مسکرائیں، رونے والے ہنس پڑیں
انگلیوں کی گھائیوں سے چشمے رحمت کے بہیں
کفر کی مٹھی میں کنکر جھوم کر کلمہ پڑھ ¤
چاند شق ہو، پیڑ بولیں، جانور سجدہ کریں
بارک اللہ! مرجع عالم یہی سرکار ہے

حضرت جابر کے بچوں کا بیاں ہے بے نظیر
دونوں کی زلفوں کے عزرائیل بن بیٹھے اسیر
تھی لب اعجاز کی برکت ہوئے زندہ صغیر
لب زلال چشمۂ کن میں گوندھے وقت خمیر
مردے زندہ کرنا اے جاں تم کو کیا دشوار ہے

بے وفائی کررہے ہیں، سرورا! شمس و قمر
نفسی نفسی کا ہے عالم، پھر رہے ہیں در بہ در
سب رسولوں نے کہا: کیا ہے یہاں؟ جاؤ اُدھر
تیرے ہی دامن پہ ہر عاصی کی پڑتی ہے نظر
ایک جان بے خطا پر، دوجہاں کا بار ہے

اے مرے آقا مرے مولیٰ رسول کردگار!
سن لو اے شاہ امم، اپنے غلاموں کی پکار
آفت جاں کاہ ہے، کوئی نہیں ہے غم گسار!
جوش طوفاں، بحر بے پایاں، ہوا ناسازگار!
نوح کے مولیٰ کرم کردے تو بیڑا پار ہے

سن کے ازہر، ذکر محبوب خدائے دوجہاں
کیف طاری ہے زمیں پر، وجد میں ہے آسماں
جھومتے ہیں خشک و تر، برگ و ثمر گل، گل ستاں
گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

ماخوذ: از۔ فضیلت مدینہ، ص: ۳۴

﴿یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم　　جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں﴾

اداریہ

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا

ازہرؔالقادری

وہ اپنے وقت کا ایک مردِ مجاہد تھا، یقین محکم کا کوہ ہمالہ تھا، عمل پیہم کی ایک خوب صورت تصویر تھا، الفت و محبت کا لاجواب شاہ کار تھا، گویا مَردوں کے لیے ان کے جہادِ زندگانی میں جن جن آلۂ کار کی ضرورت درپیش ہوسکتی ہے وہ ان تمام بیش بہا خزانوں کا علم بردار تھا۔

وہ ایک طرف اگر اربابِ علم و دانش کی کاوشوں کا نگہ دار تھا تو دوسری طرف دینی، علمی اور فکری سرگرمیوں کا کا آئینہ دار بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر علم و ہنر کا نایاب گوہر تھا تو دوسری طرف خداداد جوہر کا لافانی مظہر بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر گلستان افہام وتفہیم کا باغ و بہار تھا تو دوسری طرف بوستان معنیٰ آفرینی کا غم گسار بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر ایک بے مثال مدبر تھا تو دوسری طرف ایک لاجواب مفکر بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر ایک عظیم محقق تھا تو دوسری طرف ایک نایاب مدقق بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر میدان درس وتدریس کا ''تاج محل'' تھا تو دوسری طرف علم وعمل کا ''لال قلعہ'' بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر تفسیر و تاویل کا ماہر تھا دوسری طرف حدیث و سنت میں کامل دسترس رکھنے والا جلوۂ ظاہر بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر عقائد وکلام میں انتہائی مشق و ممارست رکھتا تھا تو دوسری طرف معقولات و منقولات کا شامخ قلعہ بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر ادب وانشا کی زلف برہم سنوارنے کا آلۂ کار تھا تو دوسری طرف اصول وقوانین کا ضمانت دار بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر علم معانی و بیان کا پیکر تھا تو دوسری طرف علم عروض اور ردیف و قافیہ کا تاج ور بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر ایک کامیاب مولف تھا تو دوسری طرف ایک منفرد المثال مصنف بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر میدان خطابت کا بے باک اور نڈر شہ سوار تھا تو دوسری طرف دنیاے شعروشاعری کا عظیم شہریار بھی تھا

وہ ایک طرف اگر دعوت وتبلیغ کا چمکتا ہوا آفتاب تھا تو دوسری طرف ترویج واشاعت کا دمکتا ہوا ماہ تاب بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر ثقافتی دنیا کا پہرے دار تھا تو دوسری طرف دنیاے صحافت کا ایک تجربہ کار سپہ سالار بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر زبان و بیان کا سلطان وشہنشاہ تھا تو دوسری طرف قرطاس وقلم کا بے تاج بادشاہ بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر علم کا دریا تھا تو دوسری طرف پیار کا ساغر بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر اخلاص مندی، بلند اخلاقی اور خوش کن کردار کا چمکتا ہوا سورج تھا تو دوسری طرف نظافت و پاکیزگی اور خودداری کا دمکتا ہوا چاند بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر رواداری و بھائی چارگی کا مجسمہ تھا تو دوسری طرف معاملہ بندی اور متانت وسنجیدگی کا پیکر بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر انسانیت کا مرقع جمیل تھا تو دوسری طرف معاشرہ، سماج اور سوسائٹی کو خوب صورت رنگ میں رنگنے کی صلاحیتوں سے مالا مال بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر آہنگ کی خوش گوار زمزمی کا بلند بانگ نعرہ تھا تو دوسری طرف زبان کی باوقار شیرینی کا فلک شگاف مینارہ بھی تھا وہ ایک طرف اگر سوز وگداز کا مجموعہ تھا تو دوسری طرف اثر آفرینی کا لاجواب مخزن بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر نازک مزاجی اور پرخلوص جذبات و احساسات کا حامل تھا تو دوسری طرف رنج وغم اور آلام ومصائب کا بحر ذخار بھی تھا ۔۔۔وہ ایک طرف اگر اکابر کی دعاؤں کا شجر ثمر بار تھا تو دوسری طرف خرد نوازی کا آہنی دیوار بھی تھا ۔۔۔وہ ایک طرف اگر سرورِ زندگی کا متلاشی تھا تو دوسری طرف نشاط روح کا سرمایہ بھی تھا ۔۔۔وہ ایک طرف اگر جدت وندرت کا گنجینہ تھا تو دوسری طرف سلاست وروانی کا سرچشمہ بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر نازک خیالات اور تازہ مضامین کا دل دادہ تھا

تو دوسری طرف بندش کی چشتی کا امین بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر الفاظ وتراکیب کی ندرت اور تشبیہات واستعارات کی جدت کا خوگر تھا تو دوسری طرف سلاست و روانی اور فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ بھی تھا ۔۔۔وہ ایک طرف اگر قلبی واردات کا نقاش تھا تو دوسری طرف دردوغم کا مصور بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر محاورات کے صرف کا بہترین طریقہ کار جانتا تھا تو دوسری طرف روزمرہ بول چال کا ڈھنگ اور سلیقہ بھی رکھتا تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر نشست الفاظ پر قدرت کاملہ رکھتا تھا تو دوسری طرف زبان کی صفائی اور ضرب الامثال کے استعمال کا حامل بھی تھا ۔۔۔وہ ایک طرف اگر زورِ تخیل اور بلندئ مضامین کا حسین سنگم تھا تو دوسری طرف لطیف، شستہ اور پاکیزہ انداز بیان کا عادی بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر معنیٰ آفرینی اور نازک خیالی کا ذوقؔ تھا تو دوسری طرف جدت طرازی اور رنگین بیانی کا مومنؔ بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر آہنگ کی خوش گوار نرمی اور زبان کی باوقار شیرینی کا میرؔ تھا تو دوسری طرف ظرافت وشگفتہ مزاجی، فیاضی وسیر چشمی اور بے تکلفی وخوش اسلوبی کا مرزا غالب بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر لکھنوی تہذیب و تمدن کا قدردان تھا تو دوسری طرف دہلوی تہذیب وثقافت کا مدح خوان بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر احساسات کی تصویر کشی میں مہارت تامہ رکھتا تھا تو دوسری طرف آزادی وحریت کے علم برداروں کے تئیں دلی تڑپ بھی رکھتا تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر اپنے نثر پاروں کے حوالے سے جانا جاتا تھا تو دوسری طرف اپنے منظوم کلام کی آفاقیت سے بھی پہچانا جاتا تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر اجتماعی لب و لہجہ کا امین تھا تو دوسری طرف انفرادی لب و لہجہ کا مالک بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر مرثیہ نگاری میں انیس و دبیر کا سچا جانشین تھا تو دوسری طرف نقادیت کے حوالے سے شبلی اور حالی جیسے اساتذۂ فن کا نائب مطلق بھی تھا ۔۔۔وہ ایک طرف اگر مثنوی نگار میرحسن کی راہ کا راہی تھا تو دوسری طرف نسیم جیسے مشہور زمانہ مثنوی نگار کی منزل کا مسافر بھی تھا

وہ ایک طرف اگر قطعات و رباعیات میں اکبر، امجد اور محروم کا پرتو تھا تو دوسری طرف نظم نگاری میں نظیرا کبرآبادی اور علامہ اقبال کا عکس جمیل بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر بچوں کی نظموں کے حوالے سے اسمٰعیل میرٹھی کا شیدا تھا تو دوسری طرف انقلابی نظموں کے حوالے سے جوش ملیح آبادی کا دیوانہ بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر منظوم تاریخ بیانی میں حفیظ جالندھری کا معتقد تھا تو دوسری طرف مناظر قدرت کی تصویر کشی کے حوالے سے اختر شیرانی کا پیروکار بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر واقعیت وجامعیت میں اپنے زمانے کا فیض احمد فیض تھا تو دوسری طرف اشتراکی نظریات کے تناظر میں علی سردار جعفری بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر ترقی پسند ادبا کے حوالے سے جاں نثار اختر تھا تو دوسری طرف بزم کیف وسرور کا ساحر لدھیانوی بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر تلخیص کے حوالے سے میر امن دہلوی کا محبوب نظر تھا تو دوسری طرف تفصیل کے تعلق سے محمد حسین آزاد کا پیارا بھی تھا۔۔۔وہ ایک طرف اگر حمد، نعت و منقبت کے اشعار کہنے میں علامہ جامی و رومی وغیرہ کا مقلد تھا تو دوسری طرف اصناف سخن سے متعلق خانوادۂ رضویہ خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان اور مفتیِ اعظم ہند کا تابع دار بھی تھا۔

اسی مرد مجاہد نے ۸۲ء کی دہائی میں ایک ایسا سنہرا خواب دیکھا تھا جس کا تعلق براہ راست قوم وملت کی فلاح و بہبود اور صد فی صد نونہالان ملت اسلامیہ کی کامیابی وکامرانی سے تھا۔اس کے اس خواب میں ملت کی ترقی کا راز پوشیدہ تھا۔اس کا وہ خواب اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت کا ایک اہم ترین ذریعہ تھا۔اس کا وہ خواب طالبان علوم نبویہ کی قلمی جولان گاہ تھا۔اس کا وہ خواب تعمیر ادب کا عظیم شاہ کار تھا ۔اس کا وہ خواب زبان تحریری کے حوالے سے معلمین ومتعلمین کے مافی الضمیر کی ادئیگی کا ایک بہترین پیش خیمہ تھا۔اس کا وہ خواب ادب شناس طبقہ کے لیے خضر راہ اور مینارۂ نور تھا ۔اس کا وہ خواب علم دوست افراد کے لیے تسکین ذوق کا سامان تھا ۔اس کا وہ خواب اکابر کے احسانات اور خداداد صلاحیتوں کا اظہار عام تھا۔اس کا وہ خواب اصاغر کی ہمت افزائی اور ان کے اندر تحریری جذبات بیدار کرنے کا ایک مؤثر اقدام تھا ۔اس کا وہ خواب، خواب غفلت میں سرمست انسانوں کے لیے بانگ درا کی حیثیت رکھنے والا تھا ۔

اس کا وہ خواب حساس دلوں کے لیے سراپا تصویر درد تھا۔اس کا وہ خواب معاندین کے حق میں ایک ''لمحہ فکریہ'' تھا۔اس کا وہ خواب اہل چمن کے لیے فرخندہ فال تھا۔اس کا وہ خواب کتاب الجامعہ میں ایک نئے اورضروری باب کا آغاز تھا۔اس کا وہ خواب جامعہ کے ماضی کا عکس جمیل تھا۔اس کا وہ خواب جامعہ کے حال کا عمدہ پرتو تھا۔اس کا وہ خواب جامعہ کے تاب ناک مستقبل کا غماز تھا۔

اس پس منظر کے تناظر میں پیش منظر کے حقائق کیا تھے؟ جاگتی آنکھوں کا خواب تھا یا حالت نوم کا؟ نہیں نہیں! وہ حالت نوم کا خواب نہیں تھا۔ بلکہ وہ جاگتی آنکھوں کا خواب تھا۔کوئی بدفال خواب نہیں تھا۔ بلکہ وہ خواب جامعہ کے حق میں فرخندہ فال تھا۔ وہ خواب تھا طالبان علوم نبویہ کو میدان صحافت کا عظیم شہ سوار بنانے کا۔ وہ خواب تھا طلبہ کی تعمیری تنظیمی ''بزم فیضان رضا'' کی سرگرمیوں کو عام کر کے قوم وملت کی توجہ جامعہ کی طرف مبذول کرانے کا۔ وہ خواب تھا قوم کے ہاتھوں میں ایک تحریری دستاویز دے کر نسل نو کے اندر آفاقی روح پھونکنے کا۔ وہ خواب تھا نسلاً بعد نسل طلبہ میں تحریری جذبات کو بیدار رکھنے کا۔ وہ خواب تھا طلبہ کی دینی، علمی اور فکری نگارشات کو ایک رسالے کی صورت میں جامعہ کے ارباب بسط وکشاد کے حوالے کر کے ان سے اپنے جوہر شناس اساتذہ کی کمر توڑ محنتوں کا خراج وصول کرنے کا۔ وہ خواب تھا قرطاس وقلم کے ذریعہ ناموس مسلک اعلیٰ حضرت کی حفاظت میں لگے رہنے کا۔ وہ خواب تھا سنان صفت نوک قلم کے زور سے معاندین کی طرف سے اٹھائے گئے، نت نئے فتنے کی سرکوبی کرنے کا۔وہ خواب تھا قرطاس وقلم کے سہارے مغربی اور مغربیت زدہ افراد کی طرف سے اسلام و سنیت پر کئے گئے رکیک حملوں کا مسکت اور دنداں شکن جواب دینے کا۔وہ خواب تھا لوح وقلم کی مدد سے اسلاف کی شوکت وعظمت کا سراپا لوگوں تک پہونچانے کا۔وہ خواب تھا قلم کے ذریعہ آسمان صحافت پر جامعہ اہل سنت امدادالعلوم مٹہنا کا پرچم اقبال لہرانے کا۔وہ خواب تھا ''شعاع فیضان رضا'' کو خواب و خیال کی دنیا سے نکال کر منصۂ شہود پر لانے کا۔

افسوس صد افسوس! وہ عظیم، متنوع اور مختلف الجہات خواب خدا جانے کن نامساعد حالات سے دوچار ہوکر شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا! جس کی عدم تکمیل نے قوم اورنونہالان قوم کے عروج وارتقا کی تاریخ میں ناقابل فراموش خسارے کا ایک بہت بڑا خط کھینچ دیا، جس کے منفی اثرات جگ ظاہر ہیں!

بالآخر ایسا عظیم، متنوع اور مختلف الجہات خواب دیکھنے والا تھا وہ کون؟ وہ کوئی بہت دور کا نہ تھا۔۔۔وہ وہی تھا جسے عوام وخواص نے بہت قریب سے دیکھا تھا نہایت منکسرالمزاج تھا۔۔۔وہ ایک سلیم الطبع انسان تھا۔۔۔وہ نفاست پسندی تو اس کی فطرت ثانیہ تھی حاضر جوابی بھی لاجواب تھی اس کی۔۔۔ایک فقیدالمثال اور جید عالم دین تھا وہ۔۔۔اسے علما طلبہ نے درس وتدریس کا بے تاج بادشاہ کہا۔۔۔عوام نے اچھا مقرر اور خواص نے سچا خطیب گردانا۔۔۔معاشرہ، سماج اور سوسائٹی نے ایک کامیاب مصلح ہونے پر فخر کیا۔۔۔تبلیغی سرگرمیوں نے ایک متحرک و فعال مبلغ ہونے کا دعویٰ پیش کیا۔۔۔تخیلاتی اور تفکراتی نگارشات نے ایک لاجواب مفکر ہونے کا گن گایا۔۔۔تصنیف وتالیف کی دنیا نے بے بدل مصنف کہا۔۔۔طب وحکمت کے ماہرین نے متقدمین حکما کی امانتوں کا امین ٹھہرایا۔۔۔غم گسار نے اپنی جامعیت کا لوہا منواتے ہوئے میر امن دہلوی کا حقیقی رمز شناس ثابت کیا۔۔۔امدادالقواعد نے فارسی اصول وقواعد کا ضامن قرار دیا۔۔۔مطبوعہ وغیر مطبوعہ کم وبیش ایک درجن سے زائد کتابوں نے اس کی پیشانی پر صاحب تصانیف کا تاج زریں جڑا۔۔۔آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے مدلل و مبرہن مختلف العناوین مضامین ومقالہ جات نے بلند پایہ ادیب ہونے کا اعلان کیا۔۔۔جامعہ نے جوہر شناسی اورحقیقت کی عکاسی کے تناظر میں ''جامع علوم وفنون''، ''استاذ الاساتذہ'' جیسے اوصاف حمیدہ سے اپنے دامن کرم میں جگہ دیا۔۔۔ارباب علم و دانش نے ''مفکر ملت'' اور ''ممتاز الادباء'' نیز اصحاب فکر وفن نے ''شاعر جامعہ'' اور ''ملک الشعراء'' جیسے خوب صورت خطابات عطا کئے۔۔۔والدین، دیگر اہل خانہ اورعزیز واقارب نے ''شاہ محمد'' کہہ کے پکارا۔۔۔قلم نے ''کیفی بستوی'' کا نام دیا۔

آپ کے مسائل

مفتی محمد حفیظ اللہ نعیمی پچڑوا

مسئلہ

حضرت العلام الحاج صاحب قبلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عرض ایں کہ مندرجہ مسئلے کے تحت بحوالہ قرآن و حدیث مفصل جواب عنایت فرما کر رہ نمائی فرمائیں!

(۱) زید گاؤں کی مسجد میں امامت کرتا ہے اور قرآن پاک کی تلاوت میں حروف کو گھٹا بڑھا دیتا ہے اس کی اقتدا میں ایک قاری صاحب بھی نماز ادا کرتے ہیں، آیا ایسے امام کی اقتدا میں قاری صاحب اور جملہ مصلیان کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اس کے علاوہ زید مذکور اظہار و ادغام و اخفا میں بھی تفریق نہیں کرتا۔

(۲) ایک قاری قرآن کی موجودگی میں جبکہ ایک ہی مسجد میں دونوں پنج وقتہ نماز ادا کرتے ہوں کس کو امامت کا حق ہے غیر قاری کی اقتدا میں قاری کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جو نمازیں ادا کی ہیں ان کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ فقط

المستفتی: غلام جیلانی قادری نعیمی، مستی جوت، خادم مدرسہ اہل سنت گلشن رضا موضع و ڈاک خانہ داری چورہ ضلع بلرامپور

۳؍ربیع الغوث مطابق ۲۶؍جون ۲۰۰۱ء بروز شنبہ

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق و الصواب،

(۱) خطائی الاعراب و خطائی الحروف اگر فساد معنی ہے اور اس کا اعادہ صحیح صورت میں نہیں ہوا تو نماز فاسد، ایسے شخص سے ایسی غلطیاں مفسد نماز ہیں، اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے اور اگر خطا فساد معنی پر نہیں تو علماے متاخرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک اپنی نماز صحیح ہے، متقدمین کے نزدیک فساد معنی کی صورت میں نہ اپنی صحیح ہے نہ امامت جائز۔

پس امام صاحب کی تلاوت اگر فساد معنی پر مبنی ہے کہ خطائیں مفسد نماز ہیں تو اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں اور اگر ایسی خطائیں ہیں کہ مفسد نماز نہیں تو اس کے پیچھے نماز درست ہے پس فساد معنی کی صورت میں نماز درست نہیں۔

(۲) امام اگر مایجوز بہ الصلوٰۃ کا قاری ہے تو اس کے پیچھے اچھے قاری کی بھی نماز درست ہے ہاں اگر امام لحن کرتا ہے یا غلط فی القرأت کرتا ہے تو لحن و قرأت میں غلط دونوں حرام ہے، تجوید اس قدر جاننا کہ جس سے حرف کو حرف سے امتیاز اور التباس و تبدیل سے احتراز حاصل ہو، واجبات شرع اور مہمات دینیہ میں سے ہے۔ اگر اس کا لحاظ نہیں یا ما یجوبہ الصلوٰۃ کا قاری تو ہے مگر لحن کرتا ہے تو ہر چند کہ اس کے پیچھے نماز درست ہے لیکن واجب الاعادہ ہے۔ پس ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔۲؍ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

شبنم بنت عبد الغفار جن کی شادی محمد یونس ابن حسین کے ساتھ ہوئی تھی ۶؍ماہ سسرال رہی اس کے بعد ڈیڑھ سال میکے میں رہی دو بارہ ۱۵، ۲۰؍یوم سسرال میں رہی، سسرال میں خاوند نے طرح طرح کی اذیتیں اور ایسی دردناک تکلیفیں دیں جو نا قابل بیان ہے شبنم میکے آ گئی، ایک سال کا عرصہ گزر گیا، خاوند نے کوئی توجہ نہ دی، نہ ہی نان ونفقہ دیا، اور نہ ہی کسی کی خبر گیری کی اور عقد ثانی کر کے عیش و عشرت کی زندگی گزار رہا ہے، اس بنا پر شبنم نے خاص شرعی عدالت میں شرعی فیصلہ کے لیے مقدمہ دائر کیا قاضی شرع نے بار بار محمد یونس کو طلب کیا مگر نہ تو وہ حاضر ہوا اور نہ ہی کوئی بیان دیا قاضی شرع نے مشاہدین کی شہادت پر

نکاح کو فسخ کر کے دوسری شادی کی اجازت دے دی ہے، مگر شبنم اور اس کے اعزا کہتے ہیں اگر کسی کا بھی فتویٰ مل جائے تو شبنم کی دوسری شادی کردی جائے، ثبوت کے لیے قاضی شرع کا حکم نامہ حاضر ہے لہذا آپ سے التماس ہے کہ آپ بھی شرعی فیصلے سے حکم نافذ فرمائیں تا کہ عنداللہ و عندالرسول مواخذہ نہ ہو جواب تفصیلی عنایت فرمائیں۔ فقط

المستفتی: عبدالغفار خاں، محلّہ بھاؤ سارواڑہ، بانس واڑہ، راجستھان

الجواب

اللہم ھدایۃ الحق والصواب،

معدومتہ النفقہ کے سلسلے میں ہمارے احناف کے یہاں حل صرف اس قدر ہے کہ عورت معدومتہ النفقہ شوہر کے نام پر قاضی اسلام کی وساطت سے قرض لے اور اس قرض سے اپنے نان ونفقہ کی ضرورت پوری کرے لیکن یہ اس وقت تھا جب اسلامی حکومت تھی اور سلاطین کی جانب سے قاضی موجود تھے، تو اس پر ایک حد تک عمل ہوسکتا تھا، لیکن فی زمانہ نہ اسلامی حکومت نہ سلاطین نہ قضاۃ کا تقرر اس لیے قرض و استقراض کی صورت تقریباً متعذر ہے، اس لیے علماے متاخرین نے ضرورت شرعیہ کے نظر بر مسلک حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالی علیہ فسخ کی اجازت دی ہے، اس لیے قاضی شرع کو اختیار ہے مسلک شافعی پر بشر ائط فسخ کا حکم کردے، پس ”کوئٹہ کے“ دار القضا کا فسخ کر دہ فیصلہ صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں؟ مدلل ومفصل تحریر فرمائیں!

(۱) زید عالم اور ایک مدرسہ میں درس و تدریس سے منسلک ہے اور زید ہی کے رو برو ایک آل رسول ﷺ کو جو کہ ایک خانوادۂ نعیمیہ کے چشم و چراغ ہیں، پیر طریقت بھی ہیں، موصوف مذکور کو ایک دیوبندی نے گالیاں دیں، جس پر زید سن کر بھی خاموش رہا اور اسی بذہب کے گھر، برابر آمد و رفت روا رکھے ہوئے ہے اور دعوت و تواضع میں ہمیشہ شرکت کرتا رہتا ہے۔ صورت مسئلہ میں ایسے عالم سے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) نیز زید بہت ہی کذب بیانی کا عادی ہے جس کی کذب بیانی عوام الناس میں مشہور ہے اور افعال قبیحہ کا متہم بھی رہا ہے، تو ایسے شخص کی امامت میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ایسے شخص کو دینی خدمات کے لیے رکھا جائے یا معزول کردیا جائے؟ بینوا وتوجروا!

المستفتی: کمال احمد عرف کلاؤ، ساکن تو لہوا مسجد ٹولہ وارڈ نمبرا، ضلع کپل وستو، نیپال

الجواب

باسمہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الاعلیٰ ﷺ

دیو بندی وہابی سے روابط رکھنا حرام حرام اشد حرام ہے، زید عالم ہو یا علامہ، صدرالمدرسین ہو یا شیخ الحدیث، پیر ہو یا پیرزادہ کوئی بھی ہو فاسق معلن ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے، زید کو امامت سے معزول کرنا واجب، یہ اس وقت ہے جب زید دیوبندی کو کافر جاننے کے بعد ملتا جلتا، میل جول رکھتا ہو، البتہ اگر دیوبندی کو کافر، بد مذہب نہیں جانتا ہے اور ملتا جلتا ہے تو خود کافر ہے کہ وہابیہ دیابنہ کو جو جا کافر نہ جانے ان کے کفری عقائد پر اطلاع یقینی کے باوجود ان کے کافر ہونے میں شک کرے اور مسلمان جانے تو انہیں کی طرح کافر ہے، جیسا کہ علماے عرب وعجم اور فقہاے حل وحرم کا اجماع ہے کہ ”من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر“ جس نے وہابیہ کے کفر وعذاب میں شک کیا تو اس نے کفر کیا۔

زید کے سامنے اشراف کو گالی دی جائے اور زید خاموش رہے یہ زید کے خبث باطن کی دلیل ہے، زید کا گالی سن کر خاموش رہنا بد مذہب کے گھر آنا جانا، دعوت تواضع میں شریک ہونا سب فسق بین ہیں، زید پر توبہ واجب ہے، زید توبہ کرے تو ٹھیک، ورنہ امامت اور دینی خدمات سے معزول کردیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عشق مصطفیٰ

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا

مولانا محمد مشاہد رضا عبید القادری حفظہ اللہ

عشق مصطفیٰ ﷺ کائنات کا سب سے عظیم سرمایہ ہے، جس کو یہ دولت مل گئی اس کو دونوں جہان کی سب سے بڑی سعادت مل گئی۔ ایمان کا کمال اسی عشق مصطفیٰ ﷺ سے ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: لا یو من احد کم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین: یعنی تم سے کوئی بھی اس وقت تک پورے ایمان والا نہ ہوگا جب تک کہ میں اسے اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم ربانی حضرت سیدنا ابو محمد سہل تستری علیہ الرحمتہ والرضوان فرماتے ہیں: من لم یر ولایة الرسول ﷺ فی جمع احواله ویری نفسه فی ملکه لایذوق حلاوة سنته یعنی جو تمام حالتوں میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا والی اور اپنی جان کا مالک نہ مانے وہ ان کی سنت کی حلاوت (مٹھاس اور لذت) سے محروم رہے گا۔

وہابیہ کہتے ہیں کہ یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔ معاذ اللہ! لیکن جو بھی رسول اللہ ﷺ کو دل و جان سے زیادہ محبوب رکھتا ہے، ان کی یاد میں روتا تڑپتا ہے اور ہر دم ان کی زیارت کے شوق میں گھلتا ہے (اور یہ صرف اہل محبت یعنی سنت و جماعت کا خاصہ ہے) وہ ضرور انہیں اپنے جان و دل کا مالک مانے گا۔ وہ فرض و سنت کو قرض سمجھ کر نہیں چکائے گا بلکہ ان ادائیگی میں ہی اسے اپنی زندگی کا لطف آئے گا، بہادر معترضین کو ان کی معشوقہ پیاری ہے وہ اگر کچھ کہہ دے تو یہ اپنی جان کو جوکھم میں ڈال کر اس کی فرمائش پوری کریں اور پھر اپنے دل میں بے پناہ خوشی محسوس کریں لیکن عاشقان مصطفیٰ ﷺ کو مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ پیارے ہیں، ان کے فرمان پر عمل ان عاشقوں کا حاصل زندگی ہے اور اسی میں ان کے لیے دونوں جہان کی خوشی ہے۔

جو اس مقام پر یہ کہتے ہیں کہ اپنی عقیدت کو اپنا عقیدہ مت ٹھہراؤ، وہ کان کھول کر سن لیں: رسول اللہ ﷺ کی عقیدت ہی ہمارا ایمان ہے، اس کے بغیر زندگی فضول ہے۔ محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کل ما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا (فتح القدیر) یعنی جس چیز کو بھی رسول اللہ ﷺ کے ادب و تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ اچھی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس زندگیاں از اول تا آخر رسول اللہ ﷺ کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ آیئے! اس کی ایک جھلک ملاحظہ کرتے ہیں۔

یہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ سینے میں ایک جذبہ مچل رہا ہے کہ ہمیں علی الاعلان تبلیغ اسلام کی اجازت مل جائے جبکہ ابھی کل اڑتیس لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، بار بار کے اصرار پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اجازت مل گئی۔ محبوب خدا ﷺ کے اس دیوانے نے اہل مکہ کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، جس پر اہل مکہ پھر گیے اور عتبہ بن ربیعہ نامی خبیث نے آپ کے مبارک چہرے پر اپنا ناپاک جوتا مارتے مارتے وہ حال کر دیا کہ چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا پھر آپ کے پیٹ پر چڑھ کر اچھلنے لگا، یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو گیے۔ آخر قبیلہ بنو تیم کے لوگ آپ کو چھڑا کر کپڑے میں لپیٹ کر گھر لائے، اس وقت آپ کی حالت انتہائی نازک تھی، اور بظاہر بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ قبیلہ بنو تیم کے لوگ غصے میں بھر کر ان مارنے والے ظالموں کے پاس پہنچے اور انہیں سخت وسست کہنے کے بعد کہا: واللہ لین مات ابو بکر لنقتلن عتبة بن ربیعة۔ یعنی خدا کی قسم! اگر کہیں ابو بکر فوت ہو گیے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

پھر قبیلہ بنو تمیم کے لوگ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آ گئے اور آپ کے والد ابو قحافہ سے آپ سے متعلق باتیں کرنے لگے۔حتی کہ دن کے آخری حصے میں آپ کو ہوش آ گیا، جیسے ہی آنکھیں کھلیں ،آپ کی نگاہیں رسول اللہ ﷺ کے جمال جہاں آرا کو ڈھونڈھنے لگیں اور سب سے پہلے یہ سوال زبان پر آیا: ما فعل رسول اللہ ﷺ ؟ یعنی رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ یہ سن کر قبیلہ بنو تمیم کے لوگ آپ کو بھلا بُرا کہنے لگے اور اپنے اپنے گھروں کو چل دیے، جب سب چلے گئے تو آپ کی والدہ ام الخیر نے آپ کو کچھ کھلانا پلانا چاہا لیکن آپ کچھ کھانے پینے کو تیار نہ ہوئے اور بولے کہ پہلے یہ بتاؤ کہ: رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ والدہ نے کہا: واللہ مالیی علم بصاحبک۔ خدا کی قسم، مجھے ان کے بارے میں کچھ پتا نہیں،،سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کر کے مجھے بتاؤ۔آپ کی والدہ ام جمیل کے پاس پہنچیں اور انہیں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئیں جب ام جمیل نے ابو بکر صدیق کی حالت دیکھی تو گھبراہٹ سے ان کی چیخ نکل گئی۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ ام جمیل نے کہا کہ اگر میں ابھی بتاؤں تو یہ آپ کی والدہ سن رہی ہیں (جبکہ یہ ابھی ایمان نہیں لائی ہیں) اس لئے بتانا مناسب نہیں ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ ان کی کچھ پروا کیے بغیر مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں اور کہاں ہیں؟ ام جمیل نے کہا وہ صحیح وسالم ہیں اور اس وقت دار ابن ارقم میں موجود ہیں آپ کی والدہ ام الخیر بولیں، میرے لال! اب تو تسلی ہو گئی، لو کچھ کھا پی لو لیکن آپ نے فرمایا: ان اللہ علی آن لااذوق طعاما ولا أشرب شرابا او آتی یعنی رسول اللہ ﷺ ۔خدا کی قسم! میں جب تک رسول اللہ ﷺ کو دیکھ نہیں لوں گا تب تک نہ کھانے کو ہاتھ لگاؤں گا، نہ پانی پیوں گا۔جب رات کا سناٹا ہوا اور لوگوں کی چہل پہل ختم ہو گئی تو آپ کی والدہ اور ام جمیل آپ کو سہارا دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں رسول اللہ ﷺ آپ کو دیکھ کر آپ کی طرف لپک پڑے اور رسول اللہ ﷺ کو صحیح وسالم دیکھ کر آپ کی خوشیوں کی انتہائی نہ رہ گئی۔آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اب آرزو یہ ہے کہ میری ماں دولت ایمان سے محروم نہ رہیں، آپ انہیں دعوت اسلام پیش کیجئے، کیا عجب کہ آپ کے صدقے اللہ انہیں نور ہدایت سے منور فرما دے رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام پیش کی اور آپ کی والدہ بھی وہیں حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں۔

یہی وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کا حکم دیا تو سارے صحابہ اپنی استطاعت کے مطابق کچھ نہ کچھ لیکر حاضر ہوئے ،اخیر میں آپ اپنے گھر کا سارا اثاثہ سمیٹ کر پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا مابقیت لا هلك ؟ یعنی اے ابو بکر گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا؟ عرض کیا: ابقیت لهم اللہ ورسولہ یعنی گھر والوں کیلئے اللہ ورسول کافی ہیں۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس

اس جذبۂ فرماں برداری اور بے انتہا محبت نے انہیں ہجرت کے وقت بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رکھا، اور اس دنیا سے جانے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رکھا سچ فرمایا رسو اللہ ﷺ نے المرء مع احب ''یعنی آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی۔رسول اللہ کا باطنی وظاہری قرب پانے کے لیے ہمیں بھی اپنی جان کو محبت میں جلانا ہوگا اور ان کے غم میں آنسو بہانا ہوگا

یہ ہیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دشمنان مصطفٰی ﷺ کے خلاف آپ کی تلوار ہمیشہ کھنچی رہتی تھی ،بارگاہ مصطفٰی ﷺ میں ذو الخویصرہ تمیمی کی زبان درازی اور گستاخی دیکھ کر آپ سے رہا نہ گیا، آپ اس کی گردن اڑانے کے لیے کھڑے ہو گیے ،لیکن رسو اللہ ﷺ کے

منع فرمانے پر بیٹھ گیے اور بشر نامی منافق کی گردن آپ نے یہ کہکر اڑادی کہ جورسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نہ مانے اس کے لیے عمر کا فیصلہ یہی ہے۔

حضرت اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے تھے تو فرط تاثر سے بیتاب ہوکر رونے لگتے تھے، آپ اپنی دعاؤں میں کہتے تھے ''اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک ، واجعل موتیی فی بلد نبیک'' یعنی اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت میسر فرما ،او رمیری موت اپنے حبیب ﷺ کے شہر میں مقدر فرما! آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ ابولؤلؤ فیروز مجوسی نے عین حالت نماز میں آپ پرتلوار چلائی، جس کا وار بہت کاری ثابت ہوا۔ جب بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو آپ نے اپنے بیٹے (عبداللہ ابن عمر) کو اپنے قرض کی ادائیگی کی تاکید فرما کر حضرت عائشہ رضی اللہ ① کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ عمر بن خطاب تمہیں سلام کہتے ہیں اور تمہارے حجرے میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیے جانے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ ① کی طرف سے اجازت مل گئی تو فرمایا کہ:ماکان شیء احب الی من ذالک،، یعنی دنیا کی کوئی دولت مجھے اس سے زیادہ پیاری نہ تھی،، وفات کے بعد آپ کو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی سعادت عظمی حاصل ہوئی۔

یہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے مال سے دوبار جنت خریدی ایک بار اپنے مال واسباب لگا کر غزوۂ تبوک کے لیے لشکر تیار کیا، اور ایک بار لوگوں کی حاجت کے پیش نظر بیر رومہ خرید کر اس کا پانی فقیروں ،امیروں اور مسافروں کے لیے عام کیا، اس غرض سے کہ اللہ و رسول ان سے راضی ہوجائیں آپ کا بال بال عشق مصطفی ﷺ میں ڈوبا ہوا تھا، سنہ چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کفار مکہ نے آپ کو گرفتار کیا تو ابو سفیان بولا کہ اے عثمان !تمہیں طواف کرنا ہے تو کرلو لیکن تمہارے نبی اور تمہارے دوسرے ساتھیوں کو اس سال طواف کی اجازت نہیں ہوگی تو آپ کی غیرت ایمانی کو جلال آ گیا اور آپ نے فرمایا ما کنت لافعل حتی یطوف به رسول الله ﷺ یعنی میں حضور ﷺ کے بغیر اور ان سے پہلے کبھی بھی طواف نہیں کرسکتا۔

یہ ہیں سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب جب صلح نامہ لکھنا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو: ھٰذا ما صالح علیه محمدرسول الله ﷺ سھیل بن عمرو ،یعنی یہ وہ چیز ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو سے سمجھوتہ کیا،، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھ دیا تو سہیل بن عمرو نے کہا ''محمد رسول اللہ'' کے بجائے ''محمد ابن عبداللہ'' لکھیے ،اس لئے کہ اگر ہم آپ کو محمد رسول اللہ مانتے تو ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی جھگڑا نہ ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی! محمد رسول اللہ'' کاٹ کر محمد بن عبداللہ'' لکھ دو۔ حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ! غلام اپنے اندر ''محمد رسواللہ'' کو کاٹ دینے کی ہمت نہیں پاتا ہے بالآخر جب خود رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے کاٹ دیا، تب کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرا لفظ لکھنے کی ہمت جٹا سکے۔ کاش ہمیں بھی وہ محبت نصیب ہوجاتی کہ اللہ و رسواللہ کے ناموں کا احترام کرنے لگ جاتے، ان کا نام نالیوں میں گرنا، پیروں سے روندا جانا اور پھاڑ پھاڑ کر کوڑے دانوں میں پھینکا جانا گوارا نہ کرپاتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عشق رسول کا وہ عالم تھا کہ جب کسی نے پوچھا کہ اے علی تم رسواللہ ﷺ سے کیسی محبت کرتے ہو تو آپ نے فرمایا: کان والله احب الینا من اموالنا اولادنا و آبائنا و امہا تنا ومن الماءِ البارد علی الظلماء۔ یعنی خدا کی قسم! حضور ہمیں اپنے مال، اولاد، ماں باپ اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

اسلام اور عقیدۂ توحید

مولانا اشتیاق احمد ✋ حی

مذہب اسلام میں اعمال کے مقابلے عقائد کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس لیے کہ وہ بنیاد اور جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں، صاف ظاہر ہے بنیاد کے بغیر عمارت کا تصور محال، اور جڑ کے بغیر درخت کی زندگی نا ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ سراج الامہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ اسلامی کی تدوین سے قبل اصول دین اور ایمانیات پر گراں قدر رسائل مرتب فرمائے، بعد میں عقائد وایمانیات پر جتنی کتب لکھی جاتی رہیں، ان میں بنیادی اصول وضوابط امام اعظم ہی کے رہے، چنانچہ آپ نے فرمایا الفقه فی اصول الدین افضل من الفقه فی فروع الاحکام ،، اصول دین کی تفہیم جزئیات احکام کی تفہیم سے افضل اور اہم ہے۔

اور عقائد میں عقیدۂ توحید اسلام کا پہلا اور بنیادی رکن ہے دین کی اساس اور بنیاد اسی پر ہے، اس کی صحت کے بغیر انسان مومن و مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق نہیں بن سکتا۔ اس لئے اس وقت ہمارے لیے اس کا سمجھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ آج بات بات پر شرک کے فتوے لگائے جاتے ہیں اور اہل محبت کی اداؤں کو شرک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہم ذیل میں توحید کا لغوی وشرعی معنی پیش کرتے ہیں۔

توحید کا لغوی معنی۔ توحید، وحدت سے بنا ہے جس کا معنی ہے ایک کو ماننا اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا، ائمہ لغت نے توحید کی تعریف اس طرح کی ہے، التوحید تفعیل من الوحدة ،وہو جعل الشئی واحدا والمقصود بتوحید الله تعالیٰ اعتقاد أنه تعالیٰ واحد فی ذاته وفی صفاته و افعاله ولا یشارکه فیها أحد ولا یشبهه فیها احد،

ترجمہ۔ توحید، الوحدۃ سے باب تفعیل کا مصدر ہے، اس سے مراد کسی چیز کو ایک قرار دینا، اور اللہ تعالیٰ کی توحید سے مراد ہے اس چیز کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں واحد و یکتا ہے ان میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مشابہ۔

توحید کا شرعی واصلاحی مفہوم۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ عقیدہ رکھنا توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور جملہ اوصاف وکمالات میں یکتا و بے مثال ہے اس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں، کوئی اس کا ہم پلہ یا ہم رتبہ نہیں،

امام غزالی ۵۰۵ھ عقیدۂ توحید کی وضاحت میں فرماتے ہیں۔

انه فی ذاته واحد لاشریك له فرد لا مثیل له، صمد لا ضدله ،منفردلانده و انه واحد قدیم لاأول له .أزلی لا بدایة له مستمر الوجود لاأخرله .أبدی لا نهایة له قیوم لا انقطاع له ،دائم لاانصرام له ،لم یزل موصوفا بنعوت الجلال،لایقضی علیه بالا نقضاء والانفصال بتصرم الٰابادوانقراض الاجال .بل هوا لاول والآ خرو الظاهر و الباطن، (غزالی قواعد العقائد، ص: ۵۰، بحوالہ کتاب التوحید)

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں یکتا ہے جس کی مثل کوئی نہیں۔ بے نیاز ہے جس کی ضد نہیں، منفرد ہے جس کی مانند کوئی نہیں، وہ ایسا واحد اور قدیم ہے جس کا اول کوئی نہیں وہ ازل سے ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں۔ اس کا وجود ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، جس کا کوئی آخر نہیں وہ ابدی ہے جسکی کوئی انتہا نہیں ہمیشہ قائم اور باقی رہنے والا ہے۔ جس میں کوئی انقطاع نہیں، وہ جلالت کی صفت سے متصف رہا ہے، مدتوں کے خاتمہ اور زمانوں کی ہلاکت کے باعث اس فنائیت اور انجام کے سبب اس کے خلاف فیصلہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہی اول ہے۔ وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے،، امام عمر بن محمد النسفی ۵۳۷ھ مفہوم توحید کے بیان میں رقم طراز ہیں۔

والمحدث للعالم هوالله تعالی الواحد القدیم الحی القادر العلیم السمیع البصیر الشائی المرید لیس بعرض ولا جسم ولا جوهر ولا مصور ولا محدود ولا معدود ولا متبعض ولا متجز ولا مترکب ولا متناه ولا یوصف بالماهیة ولا بالکیفیة ولا یتمکن فی مکان۔

ولا یجری علیہ زمان ولا یشبہہ شئی ولا یخرج عن علمہ و قد رتہ شئی ،ولہ صفات از لیۃ قائمۃ بذاتہ وہی لا ہو ولا غیرہٗ۔ (نسفی العقیدۃ النسفیۃ ص ۲ ، بحوالہ کتاب التوحید)

ترجمہ۔ عالم کو سب سے پہلے وجود عطا کرنے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے جو کہ واحد ہے قدیم ہے ، ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے،قدرت رکھنے والی ہے،جاننے والی سننے والی ہے،دیکھنے والی ہے، چاہنے والی ہے ارادہ کرنے والی ہے، وہ عرض نہیں ہے نہ جسم نہ جوہر ہے نہ اسکی شکل وصورت ، نہ محدود ہے نہ معدود، نہ ذی ابعاض ہے نہ ذی اجزاء، نہ مرکب ہے نہ متناہی، نہ اسے ماہیت کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے نہ ہی کیفیت کے ساتھ، وہ نہ کسی مکان میں متمکن ہے نہ ہی کوئی زمانہ اس پر جاری ہے، نہ کوئی چیز اس کے مشابہ اور نہ ہی کوئی چیز اس کی قدرت اورعلم سے خارج ،اس کی صفات از لی ہیں جو اس کی ذات سے قائم ہیں ۔ اور یہ صفات نہ ہی عین ذات باری ہیں اور نہ ہی اس کا غیر۔

مندرجہ بالا عبارتوں کی روشنی میں توحید کی بعض وضاحت ہو چکی، مگر تعرف الاشیاء باضدادہا (اشیاء کی معرفت ان کی اضداد کی پہچان سے ہوتی ہے) کے اصول کے تحت توحید کی مزید وضاحت کے لیے ہم شرک کا بھی لغوی واصطلاحی معنی پیش کرتے ہیں،،

شرک کا لغوی معنی ۔ لفظ شرک شرکت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں کسی غیر کو شریک مانا جائے ،صاحب لسان العرب لکھتے ہیں۔

’’الشِرْکۃُ والشَرِکۃ سواء مخالطۃ الشریکین یقال اشترکنا بمعنی تشارکنا وقد اشترک الرجلان و تشارکا و شارك احد ہما الاخر‘‘ (ابن منظور لسان العرب ۱۰: ۴۴۸ بحوالہ کتاب التوحید)

شِرکۃ اور شَرِکۃ کا معنی دو شریکوں کا ایک چیز میں ملنا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ ہم شریک ہوئے ،یعنی آپس میں ہماری شراکت ہوئی ،اور دو شخص باہم شریک ہوئے یعنی دونوں میں شراکت ہوگئی اور ایک دوسرے کے ساتھ شریک بن گیا،،

شرک کا شرعی واصطلاحی معنی ۔ شرک کی تعریف میں علامہ سعدالدین تفتازانی لکھتے ہیں الا شراك ہو اثبات الشریک فی الألوہیۃ بمعنی و جوب الوجود کما للمجوس،اوبمعنی استحقاق العبادۃ کما لعبدۃ الاصنام (تفتازانی،شرح عقائد نسفی ص:۶۱)

مجوس کی طرح کسی کو واجب الوجود سمجھ کر الوہیت میں شریک کرنا یا بتوں کی پوجا کرنے والوں کی طرح کسی کو مستحق عبادت سمجھنا اشراک کہلاتا ہے،،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں’’والشرك أن يثبت لغيرا اللہ سبحانہ وتعالیٰ شیئاًمن صفاتہ المختصۃ بہ ،،(شاہ ولی اللہ الفوزالکبیر۲۷) شرک یہ ہے کہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے کوئی صفت اس کے غیر کے لیے ثابت کی جائے۔

ان تمام تصریحات سے پتہ چلا کہ توحید وشرک دو الگ الگ تصور اورعقیدے ہیں، ایک دوسرے کی نفی ہیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، اور مدار شرک محض اشتراک نہیں بلکہ صفات خداوندی جیسے اس کی شان کے لائق ہیں بعینہ اسی طرح کا اعتقاد غیر کے لیے ثابت کیا جائے، خواہ وہ لمحہ بھر کے لیے ہی کیوں نہ ہوں شرک کہلائے گا ،مثلا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب الوجود سمجھا جائے ،اس کے مستحق عبادت ہونے کا اعتقاد رکھا جائے ،اللہ رب العزت کی صفات خاصہ مثلا علم بالذات ،علم بالقدرت، ایجاد وقدرت ذاتیہ، اور اختیار ذاتی میں سے کوئی صفت کسی غیر کے لیے ثابت کی جائے ،رہ گئیں صفات مشترکہ جو خالق ومخلوق کے مابین مشترک ہیں،ان کے اطلاق کے وجوہ خالق کے لیے اور معنی میں ہیں،اور مخلوق کے لیے اور معنی میں ،صفات خداوندی قائم بالذات ہیں ،ذاتی ہیں غیر محدود ہیں ،قدیم ہیں واجب ہیں اور اسکی شان الوہیت کے لائق ہیں، اور مخلوق کے لیے وہی صفات محدود ہیں ،متناہی ہیں ،ممکن ہیں ،حادث ہیں اور ان کی شان مخلوقیت کے لائق عطائی ہیں ،مثلا ولایت کہ اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ہے جبریل امین اور صالحین کے لیے بھی، یہ نص قرآنی سے ثابت ہے ۔

مگر سب کا معنی، شان، کیفیت، ماہیت، اصلیت وحقیقت اور اطلاق کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہے، اور یہی حال علم، رحمت، حیات، سمع وبصر اور کلام جیسی دیگر صفات مشترکہ کا ہے، اب ہم ذیل میں اپنی بات کی تائید میں قرآن کریم وفرقان حمید کی چند آیات طیبات قارئین کے حوالے کرتے ہیں۔

(۱) وأبرئ الاکمه والأبرص وأحی الموتیٰ باذن اللـه وأنبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ۔(پ۳۔سورۂ آل عمران، آیت۴۹)

اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو، بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو،،

مندرجہ بالا آیت میں محی یعنی مردوں کو زندہ کرنے والا، شافی یعنی امراض سے شفا دینے والا ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ثابت ہو رہا ہے جب کہ محی اور شافی ہونا صفات باری تعالیٰ میں سے بھی ہے، تو کیا یہ شرک ہے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ محی اور شافی ہے تو بالذات بغیر کسی کی عطا کے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی محی اور شافی ہیں مگر اللہ جل شانہ کی عطا اور قدرت سے، بذات خود نہیں کیوں کہ بندے اپنے تمام اختیارات میں رب کی عطا کے محتاج ہیں،

(۲) اللـه ولی الذین آمنوا یخزجهم من الظلمت الی النور،،(پ۳ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۷)

اور دوسرے مقام پر ہے

ولقدارسلنا موسیٰ بایتنا ان اخرج قومک من الظلمٰت الی النور(پ۱۳، سورۂ ابراھیم آیت ۵)

اور تیسرے مقام پر ہے

الـر کتب انزلنا ہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور،(پ۱۳، سورۂ ابراہیم آیت ۱)

اللہ ایمان والوں کا ولی ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے،،

''اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم نے تجھ کو اپنی آیات دے کے بھیجا ہے کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالو،،

''اے محبوب ہم نے یہ کتاب تجھ کو دی ہے اس واسطے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف لے جاؤ،،

ایک ہی وصف خالق کائنات جل شانہ نے اپنا بیان کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی بیان کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی، تو اگر ان لوگوں کا فلسفہ لیا جائے جن کے یہاں شرک کا بیوپار اور تجارت عام ہے۔ اور بات بات پر شرک کا فتویٰ لگایا جاتا ہے، تو معاذ اللہ شرک لازم آجائے لیکن شرک ہرگز لازم نہیں آئے گا، اس لئے کہ اللہ رب العزت مذکورہ وصف سے متصف ہونے میں کسی کی عطا کا محتاج نہیں ہے، انبیائے کرام اور اولیائے عظام وغیرہم اپنے تمام کمالات اور خوبیوں میں اپنے رب اور اپنے مالک حقیقی کی عطا وعنایت کے محتاج ہیں۔

(۳) لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیزعلیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم ،،(پ۱۱، سورۂ توبہ آیت ۱۲۸)

تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربانی، مہربان!

دیکھیں، اللہ تعالیٰ بھی رؤف ورحیم اور سرکار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی رؤف ورحیم، مگر فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر ان صفات سے متصف ہے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم عطائی طور پر، اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم ہے مگر کسی کے بنانے سے نہیں، اور محبوب دوعالم بھی رؤف ورحیم ہیں مگر اپنے رب کے بنانے سے۔

حاصل کلام: قرآن مقدس میں بے شمار مقامات پر خالق ومخلوق اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کو ایک ہی صفت سے متصف کیا گیا ہے، مگر جس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا اتصاف ہے، بعینہ اسی اعتبار سے کسی مخلوق کا اتصاف محال ہے، لہذا انبیا، اولیا، صلحا، بزرگان دین اور اللہ کے نیک وبرگزیدہ بندوں کو رب کی عطا سے حاجت روا، مشکل کشا اور دافع بلا ماننا ہرگز ہرگز شرک نہیں، جو لوگ اسے شرک کہیں وہ توحید وشرک کے معنی ومطلب سے نابلد اور کوسوں دور ہیں، اور اہل محبت یعنی اہل سنت وجماعت پر بہتان تراشی کر رہے ہیں اور اپنی ناسمجھی اور کج فہمی کی نبیاد پر بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور بزرگوں کی عقیدتوں اور عظمتوں کو ان کے دل سے نکالنے کی ناپاک سعی کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دین متین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

نماز! اسلام کا اہم اور بنیادی رکن

طلبہ: جماعت

ارشاد خداوندی ہے" ھدی للمتقین الذین یومنون با لغیب ویقیمون الصلٰوۃ وممارزقنٰھم ینفقون "۔ پرہیزگاروں کو ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم رکھتے اور ہم نے جو دیا اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (سورہ بقرہ) اور اللہ عز وجل ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے" واقم الصلٰوۃ لذکری" (پ،۱۶۔ع،۱۰) "اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ"

الغرض! نماز اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اسلامی نظام العبادات میں اس کی حیثیت واہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں کم وبیش سات سو مقامات پر اقامت الصلوٰۃ کا ذکر ہوا ہے جن میں سے انہیں مقامات پر صریح حکم وارد ہوا ہے

اسلام میں ارکان خمسہ شہادت توحید ورسالت کے بعد جس فریضہ کی بجا آوری کا حکم قرآن وسنت میں بہ نفس قطعی تاکید کے ساتھ آیا ہے وہ نماز ہی ہے حضور تاجدار رسالت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: عن ابن عمر رضی الله تعا لی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعا لی علیه وسلم بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا اله الا الله وان محمدا عبدہ ورسوله و اقام الصلوٰۃ ایتاء الذکوٰۃ و الحج و صوم رمضان متفق علیه (مشکوۃ شریف ص بارہ)

اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے اس بات کی گواہی دینا کہ خدائے تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عز وجل کے رسول ہیں نماز قائم کرنا زکوٰۃ دینا حج بیت اللہ کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

صلوٰۃ کا لغوی مفہوم: نماز کی فرضیت واہمیت سے پہلے لغوی اعتبار سے لفظ صلاۃ کے معنی کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے، لفظ صلاۃ عربی لغت میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن محاورہ عرب کی جو اصطلاح سے قریب تر ہے ذکر وانقیاد اور دعا عبادت کا ہے اس اعتبار سے ذات باری تعالی کی بارگاہ صمدیت میں اس کے بے پایاں جود وکرم اور فعل ورحمت کے لیے کمال خشوع وخضوع کے ساتھ سراپا طلب والتجا ہے اور اس کے حق بندگی کو بجالانے کو صلاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے ← غائر دیکھا جائے، تو کائنات ارضی وسماوی کی ہر مخلوق اپنے اپنے حسب حال بارگاہ خداوندی میں صلاۃ اور تسبیح وتحمید میں مصروف نظر آتی ہے،

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔" الم تر ان الله یسبح له من فی السمٰوٰت و الارض والطیر صٰفٰت"۔

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ عز وجل ہی کی تسبیح کرتے ہیں اور بھی فضاؤں میں پر پھیلائے ہوئے اس کی تسبیح کرتے ہیں ہر ایک اللہ کے حضور اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے (القرآن) ارکان اسلام میں سے یہ خصوصیت امتیاز صرف نماز ہی کو حاصل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام کے ادوار میں ہر امت اور ہر ملت پر یہ یکساں طور پر فرض رہی ہے سلسلہ انبیاء کا کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گزرا جس کی شریعت میں نماز کو قطعیت کے ساتھ فرضیت کا درجہ حاصل نہ رہا ہو۔

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعلیمات میں بہت سے امور ایسے ہیں جنہیں تخصیص کے ساتھ امت مصطفویہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض کیا گیا جب کی پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں یہ فرض نہیں تھے اس طرح متعدد چیزیں پہلی شریعتوں میں فرض تھے جنہیں شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے منسوخ کر دیا لیکن نماز اپنی منفرد حیثیت میں ہر رسول اور ہر نبی کی تعلیمات کا جز رہی ہے کسی بھی زمانے میں کوئی ایسا نبی ★ ث نہیں کیا گیا جس نے اپنی شریعت میں نماز کو برقرار نہ رکھا ہو ترک نماز یا نماز کے عدم وجوب کا کوئی تصور کسی بھی سابقہ شریعت میں موجود نہیں۔

نماز زمانی ومکانی اعتبار سے نظام العبادات کا جز ولاینفک رہی ہے، چنانچہ ہر برگزیدہ نبی اعلی مقامات پر فائز ہونے اور قرب وصال کی نعمتوں سے سرفراز ہونے کے باوجود بارگاہ خداوندی میں نماز کے ثمرات اور فیوض سے متمتع ہونے کا زیادہ خواں اور متمنی نظر آتا ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام بارگاہ یزدی میں عرض پرواز ہوتے ہیں۔ رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا تقبل دعاء

اے میرے رب، مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم رکھنے والا بنادے۔ اے ہمارے رب تو میری دعا قبول فرمالے قرآن حکیم نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم کی مخاصمت وعناد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"قالو یا شعیب ا صلوتك تامرك ان نترك ما یعبدو آاباو ناآو ان نفعل فی اموالنا ما نشئوا انك لانت الحکیم الرشید" (القرآن)

وہ بولے اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ان معبودں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے ہیں۔ مترشح ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا شعار حیات بھی نماز تھی ایک اور مقام پر قرآن پاک میں مذکور ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں اے میرے بیٹے: نماز قائم رکھ خود بھی اللہ عزوجل کی بندگی کا پابند رہ، اور دوسروں کو بھی اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کام سے منع کیا کر اور جو مصیبت تجھ کو پہنچے اس پر صبر کر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا جانے والا نماز کا حکم قرآن حکیم میں بایں الفاظ مذکور ہے۔اقم الصلوۃ لذکری۔(القران) اور میری یاد کی خاطر نماز قائم کیا کرو۔

ان آیات مقدسہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء سابقین پر بھی نماز فرض تھی اور امت محمدیہ پر بھی فرض ہے اس لئے ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقو تا کے مطابق نماز قائم کریں اس لئے کہ نماز پڑھنے میں بیشمار فوائد ہیں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز دین کیلئے ستون کا درجہ رکھتی ہے اور اس کی ادائیگی سے دس برکات حاصل ہوتے ہیں دنیا اخرت میں چہرہ منور رہتا ہے قلبی و روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے، قبر منور ہو جاتی ہے، میدن عمل میں نیکوں کا پلڑا بھاری ہوتا ہے، جسم امراض سے محفوظ رہتا ہے، دل میں سوز وگداز پیدا ہوتا ہے، بہشت میں حور وغلماں ملتے ہیں، دوزخ کی آگ اور روز محشر کی تمازت آفتاب سے نجات مل جاتی ہے، خدائے تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، جنت میں خدائے تعالیٰ کے دیدار کی سعادت حاصل ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ و بن العاص سے روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: جو شخص نماز کی حفاظت کرے گا تو یہ اس کیلئے قیامت میں روشنی اور برہان بنے گی اور جو نماز کی محافظت نہیں کرے گا تو اس کیلئے روشنی، نجات اور برہان نہیں ہوگی اور وہ قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان، اور ابی ابن خلف کی معیت میں ہوگا (مشکوۃ، مسند احمد، دارمی بہقی، عبادات اور جدید سائنس)

عن انس قال جاء رجل فقال یا رسول اللہ انی اصبت جدا فاقمہ علی قال ولم یسالہ عنہ وحضرت الصلوۃ فصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ قام الرجل فقال یارسول اللہ انی اصبت جدا فاقم فی کتاب اللہ قال الیس قدصلیت معنا قال نعم فان اللہ قد غفرلك ذنبك او حد ك متفق علیہ (مشکوۃ شریف ص۵۸)

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں کہ ایک شخص دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے گناہ (صغیر) سرزد ہو گیا ہے لہذا اس گناہ کی سزا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ مجھ پر قائم کیجئے، یہ سن کر نبی رحمت شفیع امت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے پھر نماز قائم ہوئی اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص پھر کھڑے ہو گئے اور اپنا معاملہ پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی اس نے عرض کیا یا رسول اللہ پڑھی ہے جا اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ نماز کی برکت سے معاف کر دیا ہے۔

لہذا احادیث مبارکہ سے بھی معلوم ہو گیا کہ نماز پڑھنے سے بیشمار فوائد ہیں اس لئے ہمیں چاہیئے کہ باجماعت نماز ادا کریں کیوں کہ جو شخص باجماعت نماز نہیں پڑھتا وہ گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان بےشمار فوائد سے بھی محروم رہتا ہے۔

عن ابی ذر ان النبی ﷺ خرج زمن الشتاء والورق یتھافت فاخذ بغصنین من شجرۃ قال فجعل ذلك الورق یتھافت قال فقال یاباذر قلت لبیك یا رسول اللہ قال ان العبدالمسلم لیصلی الصلوۃ یرید بھا وجہ اللہ فتھافت عنہ ذنوبہ کما تھا ھذا الورق عن ھذہ الشجرۃ رواہ احمد (مشکوۃ ص۵۸)

ترجمہ: سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر نکلے جب کی موسم خزاں تھا باہر گئے، تو ایک درخت نظر آیا نبی اکرم ﷺ نے اس درخت کی دو⊠ں کو پکڑ کر حرکت دی تو پتے نیچے گر گئے پھر فرمایا اے ابوذر! میں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ فرمایا جب مومن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑ گئے۔

یوم یکشف عن ساق و یدعون الی السجود فلا یستطیعون خاشعة ابصارھم ترھقھم ذلة وقد کانو یدعون الی السجود وھم سلمون

ترجمہ: قیامت کے دن لوگ سجدہ کرنے کے لیئے بلائے جائینگے مگر وہ سجدہ نہیں کرسکینگے ان کی آنکھیں شرم کے مارے نیچے ہونگی اور ان پر ذلت سوار ہوگی یہ لوگ آج کیسے سجدہ کر سکتے ہیں حالانکہ جب یہ دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے تو تندرست کے باوجود سجدہ نہیں کیا کرتے تھے (سورہ قلم آیت ۴۲،۴۳)

نماز میں سستی کرنے والے کو قبر اس طرح دبائے گی کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ پھوٹ کر ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گے اور اس کی قبر مین آگ بھڑکا دی جائے گی اور اس پر ایک گنجا سانپ مسلط کر دیا جائے گا نیز قیامت کے روز اس کا حساب سختی سے لیا جائے گا۔

روزہ! اسلام کا اہم اور بنیادی رکن

طلبہ: جماعت رابعہ

روزہ: اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، جسے عربی میں صوم کہتے ہیں۔ قوم مسلم اسلامی سال کے مقدس مہینہ رمضان المبارک میں روزہ رکھتی ہے۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے، نیز جنسی تعلقات قائم کرنے اور دیگر منہیات شرعیہ سے باز رہنے کا نام روزہ ہے۔

سحر وافطار: صبح صادق سے قبل کھانے کا نام سحری ہے جو کہ مسنون ہے، جبکہ غروب آفتاب کے وقت اذان مغرب کے ساتھ کھانے پینے کا نام افطار ہے جسے روزہ کھولنا کہا جاتا ہے۔

فرضیت: رمضان المبارک کا روزہ ۲ھ میں فرض کیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں نو سال تک رمضان المبارک کا روزہ رکھا، امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو سال رمضان المبارک کے روزے رکھے، اس لیے کہ ۲ھ ماہ شعبان المعظم میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال گیارہ ہجری ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ دوشنبہ کے دن ہوا تھا۔

اہمیت۔ قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے، یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۔ (سورہ البقرہ، آیت۔۱۸۳۔ پ۔۲) ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گیے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ تمہیں پرہیز گاری ملے۔

فوائد: روزہ جسمانی صحت کو برقرار رکھتا ہے بلکہ اسے بڑھاتا ہے، روزہ سے دل کی پاکی، روح کی صفائی اور نفس کی طہارت ہوتی ہے، روزہ دولت مندوں کو غریبوں کی حالت سے عملی طور پر باخبر رکھتا ہے، روزہ شکم سیروں اور فاقہ مستوں کو ایک سطح پر کھڑا کر دینے سے قوم میں مساوات کے اصول کو تقویت دیتا ہے، روزہ ملکوتی قوتوں کو قوی اور حیوانی قوتوں کو کمزور کرتا ہے، روزہ جسم کو مشکلات کا عادی اور سختیوں کا خوگر بناتا ہے، روزہ سے بھوک اور پیاس کے تحمل اور صبر وضبط کی دولت ملتی ہے، روزہ سے انسان کو دماغی اور روحانی یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور روزہ لوگوں کو گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے، ان فوائد کے علاوہ اور بہت فائدے ہیں جن کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: جس نے مکہ میں ماہ رمضان پایا اور روزہ رکھا اور رات میں جتنا میسر آیا، قیام کیا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اور جگہ کے ایک لاکھ رمضان کا ثواب لکھے گا اور ہر دن ایک گردن آزاد کرنے کا ثواب اور ہر رات ایک گردن آزاد کرنے کا ثواب اور ہر روز جہاد میں گھوڑے پر سوار کر دینے کا ثواب اور ہر دن میں حسنہ اور ہر رات میں حسنہ لکھے گا۔ (سنن ابن ماجہ، ج:۳، ص:۵۲۳) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''میری امت کو ماہ رمضان میں پانچ باتیں دی گئیں کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملیں'' وہ پانچ باتیں درج ذیل ہیں (۱) یہ کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے، اللہ عزوجل ان کی طرف نظر فرماتا ہے اور جس کی طرف نظر فرمائے گا، اسے کبھی عذاب نہ کرے گا (۲) یہ کہ شام کے وقت ان کے منہ کی بو اللہ عزوجل کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی ہے (۳) یہ ہے کہ ہر دن اور ہر رات میں فرشتے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں (۴) یہ کہ اللہ رب العزت جنت کو حکم فرماتا ہے، مستعد ہو جا اور میرے بندوں کے لیے مزین ہو جا قریب ہے کہ دنیا کی تعب سے یہاں آ کر آرام کریں (۵) یہ ہے کہ جب آخری رات ہوتی ہے تو ان سب کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ کسی نے عرض کی، کیا وہ شب قدر ہے؟ فرمایا: نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ کام کرنے والے کام کرتے ہیں، جب کام سے فارغ ہوتے ہیں اس وقت مزدوری پاتے ہیں،،

(شعب الایمان، ج:۳، ص:۳۰۳)

حضرت ابو مسعود غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر بندوں کو معلوم ہوتا کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری امت تمنا کرتی کہ پورا سال رمضان ہی ہو۔ (صحیح ابن خذیمہ، ج:۳، ص:۱۹۰) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رمضان آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا، یہ مہینہ آیا، اس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو اس سے محروم رہا، وہ ہر چیز سے محروم رہا، اور اس کی خیر سے وہی محروم ہوگا، جو پورا محروم ہے (سنن ابن ماجہ، ج:۲، ص:۲۹۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں جب رمضان کا مہینہ آتا، تو رسول اللہ ﷺ سب قیدیوں کو رہا فرما دیتے اور ہر سائل کو عطا فرماتے (شعب الایمان، ج:۳، ص:۳۱۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے، اللہ عزوجل اپنی مخلوق کی طرف نظر فرماتا ہے اور جب اللہ عزوجل کسی بندہ کی طرف نظر فرمائے تو اسے کبھی عذاب نہ دیگا اور ہر روز دس لاکھ کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے اور جب انتیسویں رات ہوتی ہے تو مہینے بھر میں جتنے آزاد کئے ان کے مجموعہ کے برابر اس ایک رات میں آزاد کرتا ہے پھر جب عید الفطر کی رات آتی ہے، ملائکہ خوشی کرتے ہیں اور اللہ عزوجل اپنے نور کی خاص تجلی فرماتا ہے، فرشتوں سے فرماتا ہے، اے گروہ ملائکہ، اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے کام پورا کرلیا، فرشتے عرض کرتے ہیں، اس کو پورا اجر دیا جائے اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔ (کنز العمال، کتاب الصوم، ج۸، ص۲۱۹)

حج: اسلام کا اہم اور بنیادی رکن

طلبہ: جماعت سادسہ

حج کا لغوی معنیٰ قصد و زیارت ہے، اصطلاح شرع میں وقت مقررہ پر مکہ معظّمہ میں بیت اللہ کی زیارت کرنے اور خاص شرائط عبادت بجالانے کا نام حج ہے جو کہ اسلام کے بنیادی پانچ ارکان میں سے ایک اہم اور عظیم رکن ہے، جس کی ادائیگی صاحب استطاعت کے لیے عمر میں ایک بار فرض ہے، اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ حج ۹؍ہجری میں فرض ہوا، اس سے پہلے مستحب تھا۔ اس کی فرضیت قطعی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبٰرکا وھدی للعالمین ۔فیہ آیات بینٰت مقام ابراھیم ۔ومن دخلہ کان آمناً وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا، ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین " (القرآن، سورۂ آل عمران، آیت: ۹۷)

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا جو مکہ میں ہے، بڑی برکت والا اور سب جہانوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو داخل ہوا اس میں، وہ امن پا گیا، اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج ہے، جو وہاں پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہیں، اور جو کوئی اس کا انکار کرے تو بلاشبہہ اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

احادیث مبارکہ میں حج بیت اللہ کی اہمیت اور اس کی فضیلت کے بیانات بکثرت ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں (۲) نماز پڑھنا (۳) زکاۃ دینا (۴) بیت اللہ کا حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے ارادے سے نکلا پھر راستے میں مرگیا تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ہمیشہ حاجی، مجاہد اور عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ (مشکاۃ، ص: ۲۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ ارشاد ہوا: اللہ پر ایمان لانا۔ پھر عرض کیا گیا اس کے بعد کون سا؟ ارشاد ہوا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پھر عرض کیا گیا اس کے بعد کیا؟ فرمایا: حج مقبول (بخاری، مسلم)

حج کی تین قسمیں (۱) قران (۲) تمتع (۳) افراد۔ اول یعنی ''قران'' سب سے افضل ہے۔ اس کا ادا کرنے والا ''قارن'' کہلاتا ہے۔ اس میں عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے۔ مگر عمرہ کرنے کے بعد قارن حلق یا قصر نہیں کرواسکتا، بلکہ بدستور احرام میں رہے گا۔ دسویں یا گیارہویں یا بارہویں ذی الحجہ کو قربانی کرنے کے بعد حلق یا قصر کرواکے احرام کھول دے۔ دوم یعنی ''تمتع'' اس کا ادا کرنے والا ''متمتع'' کہلاتا ہے۔ اس میں آسانی یہ ہے کہ اس میں عمرہ ہوتا ہی ہے لیکن عمرہ کرنے کے بعد حلق یا قصر کرواکے احرام کھول دیا جاتا ہے۔ اور پھر آٹھ ذی الحجہ یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ سوم یعنی ''افراد'' اس کا ادا کرنے والا ''مفرد'' کہلاتا ہے۔ اس میں عمرہ شامل نہیں ہے۔ اس میں صرف حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔

حج کے ثواب سے متعلق ایک انصاری اور ایک ثقفی کی منشا کے مطابق حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جب تو بیت الحرام کے قصد سے گھر سے نکلے گا تو اونٹ کے ہر قدم رکھنے اور اٹھانے پر تیرے لیے حسنہ لکھا جائے گا، اور تیری خطا مٹادی جائے گی۔ طواف کے بعد دو رکعت ایسی ہیں جیسے اولاد اسمٰعیل میں کوئی غلام ہو، اس کے آزاد کرنے کا ثواب۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی، ستر غلام آزاد کرنے کے مثل ہے۔ وقوف عرفہ کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف خاص تجلی اور تمہارے ساتھ ملائکہ پر مباہات فرماتا ہے، ارشاد باری ہوتا ہے: میرے بندے دور دور سے پراگندہ سر میری رحمت کے امید وار ہوکر حاضر ہوئے، اگر تمہارے گناہ ریت کی گنتی، بارش کے قطروں اور سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں تو میں سب کو بخش دوں گا۔ میرے بندو واپس جاؤ تمہاری مغفرت ہوگئی، اور اس کی جس کی تم شفاعت کرو۔ رمیِ جمار کرنے میں ہر کنکری پر ایک ایسا کبیرہ گناہ مٹادیا جائے گا جو ہلاک کرنے والا ہے۔ قربانی کرنا تیرے رب کے حضور تیرے لیے ذخیرہ ہے۔ سر منڈانے پر ہر بال کے بدلے حسنہ لکھا جائے گا اور ایک گناہ مٹایا جائے گا۔ طواف خانۂ کعبہ کا یہ حال کہ تو طواف کر رہا ہے اور تیرے لیے ایک فرشتہ آئے گا اور تیرے شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا کہ زمانۂ آئندہ میں عمل کرو اور زمانۂ گزشتہ میں جو کچھ تھا معاف کردیا گیا۔ (الترغیب والترہیب، ملخصاً، ج: ۲، ص: ۱۱۰)

حج کی ادائیگی پر صاحب استطاعت کے لیے بے شمار فوائد اور بشارتیں ہیں اور باوجود استطاعت، حج نہ کرنے والوں کے لیے ڈھیروں نقصانات اور سخت وعیدیں ہیں۔ ارکان حج کی ادائیگی کے بعد مکہ سے رخصت ہوکر مدینہ منورہ آکر روضۂ رسول کی زیارت تکمیل حج کی دلیل ہے۔ کہ آقا و مولیٰ ﷺ فرماتے ہیں: "من حج ولم یزرنی فقد جفانی" یہی پیغام امام عشق و محبت بھی دے رہے ہیں۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

زکاۃ! اسلام کا اہم اور بنیادی رکن

طلبہ: دورۂ حدیث

زکاۃ کی تعریف: زکاۃ شریعت کی جانب سے مقرر کردہ اس مال کو کہتے ہیں جو رضاے الٰہی کے لیے کسی ایسے مسلمان فقیر کی ملکیت میں دے دیا جائے جو نا تو خود ہاشمی ہو اور نہ ہی کسی ہاشمی کا آزاد کردہ غلام ہو (درالمختار کتاب الزکاۃ، جلد: ۳، ص:۲۰۴ تا ۲۰۶ ملخصا)

زکاۃ کو زکاۃ کہنے کی وجہ: زکاۃ کا لغوی معنی طہارت وافزائش (یعنی پاکی اور برکت ہے) چونکہ زکاۃ بقیہ مال کے لیے معنوی طور پر طہارت اور افزائش کا سبب بنتی ہے، اس لیے اسے زکاۃ کہا جاتا ہے (درالمختار کتاب الزکاۃ ج ۳ ص ۲۰۳ ملخصا)

زکاۃ کی قسمیں: زکاۃ کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں (۱) مال کی زکاۃ (۲) افراد کی زکاۃ، زکاۃ کے مال کی مزید دو قسمیں ہیں (۱) سونے چاندی کی زکاۃ (۲) مال تجارت اور مویشیوں، زرعت اور پھلوں کی زکاۃ (البدائع والصنائع فی ترتیب الترائع، ج:۲، ص:۵۷)

زکاۃ کا ثبوت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومما رزقناهم ينفقون (پ:۱/آیت:۳) وہ ہیں کہ ہم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اور فرماتا ہے خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم (پ:۱۱) ترجمہ: ان کے مالوں میں سے صدقہ لو اس کی وجہ سے انہیں پاک اور ستھرا بناؤ، اور فرماتا ہے والذين هم للزكاة (پ۱۸ ص۳) اور فلاح پائے ہیں جو زکاۃ ادا کرتے ہیں۔ اور فرماتا ہے "وما انفقتم من شئی فهو يخلفه و خير الرازقين" (پ:۲۲، ص:۱۳، آیت:۱۳۸) ور جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اور دے گا، اور وہ بہتر روزی دینے والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ولا يحسبن الذين يبخلون بمااتا هم الله من فضله هو خير لهم بل هو شرلهم سيطوقون مادخلوا به يوم القيامة (پ۴ ص۱۲ آیت ۱۸) اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لیے برا ہے اس چیز کا قیامت کے دن ان کے گیے میں طوق ڈالا جائے گا جس کے ساتھ بخل کیا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها فی سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم يوم يحمى عليها فی نار جهنم فتكرى بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذاماكنزتم لانفسكم فذوقواماكنتم تكنزون (پ۱۵ آیت ۳۵)

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو جس دن آتش جہنم میں وہ تپائے جائیں گے اور ان سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا چکھو جو جمع کرتے تھے۔ نیز زکاۃ کے بیان میں بکثرت آیات واحادیث وارد ہیں جن سے اس کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہے چند آیات مذکور ہوئیں اب چند احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکاۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال گنجے سانپ کی صورت میں کر دیا جائے گا جس کے سر پر دو چتاں ہوں گی وہ سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا پھر اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں اس کے بعد حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ولا يحسبن الذين بخلوا الاية۔ (بخاری شریف، ج:۱، ص:۱۸۸) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا زکاۃ اسلام کا پل ہے (بہارت شریعت، ج:۱، ص:۹)

زکاۃ کا مصرف: مال زکاۃ کن لوگوں پر صرف کیا جاے اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔ انما الصداقت للفقراء والمسكين والعاملين عليها والمولفة قلوبهم وفی الرقاب والغرمين وفی سبيل الله فريضةمن الله والله عليم حكيم (پ۱۰ آیت ۶۰) بے شک صدقات فقراء ومساکین کے لیے ہے اور ان کے لیے جو اس کام پر مقرر ہیں اور وہ جن کے قلوب کی تالیف مقصود ہے اور گردن چھڑانے میں اور تاوان والے کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لیے یہ اللہ کی طرف سے مقرر کرتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے اس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کے مصارف سات ہیں، فقیر، مسکین، عامل، رقاب، غارم، فی سبیل اللہ، ابن سبیل،

زکاۃ کی مقدار: اب ہم ذکر کریں گے کہ کس چیز میں کتنی زکاۃ نکالی جاے سونے چاندی اور مال تجارت میں زکاۃ۔ سونے کی نصاب بیس مثقال ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا اور چاندی کی نصاب دو سو درہم ہے یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یعنی وہ تولہ جس انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشہ ہے اور سونے چاندی کی زکاۃ میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں، مثلا سات تولہ سونا یا کم کا زیور یا برتن بنا ہو جس کی کاریگری کی وجہ سے دو سو درہم سے زائد قیمت ہو جاے۔ یا سونا مہنگا ہو کہ ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت چاندی کی کئی نصابیں ہوں گی غرض یہ کہ وزن میں اگر نصاب کے برابر نہ ہو تو زکاۃ واجب نہیں چاہے قیمت کچھ بھی ہو۔

مزارات پر گنبد بنانے اور چادر پیش کرنے کا حکم

مفتی محمد بشیر احمد نعیمی

گنبد بنانے کا حکم: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبروں کو پختہ بنانے سے قبروں پر بیٹھنے سے اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام محمد بن حسن شیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) نے المبسوط میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا قبر کس چیز کی بنائی جائے؟ آپ نے فرمایا کچی اینٹوں اور سرکنڈوں سے، میں نے پوچھا، کیا آپ پختہ و پکی ہوئی اینٹوں کو مکروہ قرار دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ میں نے کہا کہ مجھے بتلا دیجئے کہ قبر چوکور بنائی جائے کوہان کی شکل میں؟ آپ نے فرمایا کوہان کی شکل میں بنائی جائے اور چوکور نہ بنائی جائے میں نے کہا کیا پختہ قبر بنانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔

قبر پر عمارت تعمیر کرنے کی ممانعت کو علما نے بلا ضرورت پر محمول کیا ہے اور شروع سے لیکر آج تک امت کے صالحین بزرگان دین کے مزارات پر گنبد بناتے چلے آئے ہیں اس لئے امت کے اجماع عملی سے گنبد بنانے کا جواز ثابت ہے۔ اور حدیث شریف میں ممانعت بلا ضرورت تعمیر پر محمول ہے۔ علامہ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۲ھ مرقات میں تحریر فرماتے ہیں جب قبر پر خیمہ کسی فائدہ کی بنا پر لگایا جائے مثلاً تا کہ خیمہ کے نیچے قاری بیٹھ کر قرآن پڑ ¤ تو اس کی (حدیث میں) ممانعت نہیں ہے۔ اور سلف صالحین نے مشہور علما و مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانے کو جائز قرار دیا ہے۔ تا کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور آرام سے بیٹھیں۔ علامہ بدرالدین عینی (متوفی ۸۵۵ھ) عمدۃ القادری میں لکھتے ہیں کہ اگر میت پر خیمہ نصب کرنے کی کوئی غرض صحیح ہو تو جائز ہے جیسے زندہ لوگوں پر دھوپ سے سایہ کرنے کی غرض خیمہ نصب کرنا۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ لواقح الانوار القدسیہ میں لکھتے ہیں کہ میرے شیخ علی اور بھائی افضل الدین عام لوگوں کی قبروں پر گنبد بنانے تابوت رکھنے اور چادریں چڑھانے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ قبروں پر گنبد اور چادر صرف انبیا علیہم السلام اور اکابر اولیا کی شان کے لائق ہیں۔ رہے ہم لوگ تو ہمیں لوگوں کے قدموں کے نیچے راستے میں دفن کر دینا چاہیئے۔ علامہ رافعی حنفی لکھتے ہیں کشف النور میں عبدالغنی نابلسی نے جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو بدعت حسنہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقصود کے موافق ہو وہ سنت کہلاتی ہے۔ لہذا علماء صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانا اور ان کی قبروں پر چادر چڑھانا جائز کام ہے، جبکہ اس سے یہ مقصود ہو کہ عوام کی نگاہوں میں انکی تعظیم پیدا کی جائے تا کہ وہ صاحب قبر کو معمولی نہ سمجھیں، اس طرح ان کی قبروں کے پاس قندیلیں اور شمعوں کو روشن کرنا بھی باب تعظیم سے ہے۔ کیونکہ اس میں نیک مقصد ہے اور تیل اور شمعوں کی نذر (ایصال ثواب) اولیاء اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ جو ان قبروں پر ان کی تعظیم اور ان سے محبت کے اظہار کے لیے جلائی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک جائز کام ہے۔ اس سے منع نہیں کرنا چاہیئے۔ (شرح صحیح مسلم ج۲ ص۸۱۴)

چادر پیش کرنے کا حکم: اولیاء اللہ اور علمائے کبار کے مزارات پر ان کی تعظیم کے نقطۂ نظر سے چادر چڑھانا جائز ہے اس سے پہلے علامہ رافعی کے حوالے سے اس سلسلے میں علامہ نابلسی کی عبارت ذکر کی جا چکی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی منوفی ۱۲۵۲ھ ردالمحتار میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

صاحب فتاویٰ حجتہ نے کہا ہے قبروں پر چادر چڑھانا مکروہ ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جب چادر چڑھانے سے صاحب قبر کی تعظیم کا

قصد کیا جائے تاکہ عام لوگ اس قبر کو معمولی اور حقیر نہ سمجھیں، اور زائرین کے خشوع وخضوع اور ادب میں اضافہ ہو تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اور ہر چند کہ یہ فعل بدعت ہے لیکن اس کی نظیر فقہا کا یہ قول ہے کہ طواف وداع کے بعد مسجد حرام سے باہر آنے تک الٹے پیر لوٹے تاکہ بیت اللہ کی تعظیم کا اظہار ہو اور منہاج السالکین میں لکھا ہے کہ اس فعل کے لیے نہ کوئی سنت مروی ہے نہ اثر صحابی، اس کے باوجود ہمارے اصحاب نے ایسا کیا ہے۔

علامہ نابلسی، علامہ اسماعیل حقی، علامہ شامی اور علامہ رافع نے مزارات پر چادر چڑھانے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس میں افراط و بے اعتدالی کرنا صحیح نہیں ہے۔ جس طرح اوباش لڑکے باجوں اور تاشوں کے ساتھ ناچتے گاتے چادر کا جلوس لے کر مزارات کی طرف جاتے ہیں۔ البتہ ادب و تعظیم کے ساتھ نعت خوانی پڑھتے ہوئے چادر پیس کرنا جائز ہے اور ضرورت سے زیادہ چادریں چڑھانا اسراف وگناہ ہے جب تعظیم کے لیے چادر موجود ہو تو مزید چادروں کے بجائے وہ کپڑا غریبوں پر صدقہ کر کے اس کا ثواب صاحب مزار کو پہونچا دیں، مزار پر چادر چڑھانے کی شرعی نذر ماننا ناجائز اور گناہ ہے۔ ہاں عرفی نذر بمعنی نذرانہ یا ایصال ثواب جائز ہے۔ علامہ زین العابدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق میں لکھتے ہیں۔

عام مشاہدہ میں یہ بات ہے کہ عوام کسی گم شدہ شخص یا مریض کے لیے یا اپنی کسی حاجت ضرور یہ میں نذر مانتے ہیں اور بعض صلحا کے مزار پر جاتے ہیں اور ان کا پردہ اپنے سر پر رکھ کر کہتے ہیں اے فلاں بزرگ اگر میرا گم شدہ شخص لوٹ آئے یا بیمار تندرست ہو جائے یا میری حاجت پوری ہو جائے تو اتنا سونا اتنی چاندی یا اتنا کھانا یا اتنا پانی یا اتنی موم بتیاں یا اتنا تیل پیش کرونگا۔ تو یہ نذر بالاجماع باطل ہے

اولاً: اس لیے کہ یہ مخلوق کے لیے نذر ہے۔ اور مخلوق کی نذر جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت ناجائز ہے۔

ثانیاً: جس کے لئے نذر مانی ہے میت ہے۔ اور میت کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

ثالثاً: اس لیے کہ اگر نذر کرنے والے نے یہ گمان کیا کہ صاحب قبر اللہ تعالیٰ کے بغیر خود تصرف کرتا ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے۔

ہاں نذر معروف کے جواز کی صرف یہ صورت ہے کہ نذر ماننے والا یہ کہے کہ اے اللہ میں تیرے لئے نذر مانتا ہوں اگر تو نے میرے بیمار کو شفا دیدی یا میرے گم شدہ شخص کو لوٹا دیا یا میری حاجت پوری کردی تو سیدہ نفیسہ کے مزار پر جو فقرا ہیں ان کو کھانا کھلاؤں گا یا امام شافعی کے مزار پر جو فقرا ہیں ان کو کھانا کھلاؤں گا۔ یا امام لیث کے فقرا کو کھانا کھلاؤں گا یا اس نے اولیاء کرام کی مساجد کے لئے چٹائیاں یا تیل خریدا یا وہاں کے مصالح کے لیے دراہم کی نذر مانی جس فقراء کا نفع ہو۔ اور نذر صرف اللہ عزوجل کے لیے ہو اور شیخ کا ذکر صرف اس لیے ہو کہ نذر کا مصرف اور خرچ کا محل متعین ہو جائے تاکہ شیخ کی مسجد یا مدرسہ کے نادار لوگوں پر اس کو خرچ کیا جائے تو اس اعتبار سے یہ نذر جائز ہے۔ کیونکہ نذر کا مصرف فقرا ہوتے ہیں اور یہاں ایسا ہی ہے۔ کہ نذر کا مال کسی غنی غیر محتاج پر یا سادات پر خرچ کیا جائے اور نہ کسی صاحب منصب یا عالم دین پر خرچ کیا جائے الا یہ کہ وہ نادار فقیر ہوں۔

اس پر اجماع ہے کہ نذر کو اغنیا پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور مخلوق کے لئے نذر جائز نہیں ہے۔ مخلوق کے لیے نذر منعقد نہیں ہوتی یہ حرام وگناہ ہے شیخ کے خادم کے لیے اس کو لینا اور کھانا جائز ہے۔ اور اس میں تصرف کرنا اور کسی وجہ سے بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ شخص فقیر ومحتاج ہو اور کھانے سے عاجز ہو تو وہ حالت اضطرار میں اس کو بطور صدقہ لے سکتا لیکن یہ مکروہ ہے۔ تا وقتیکہ نذر ماننے والا تقرب الی اللہ کی نذر نہ مانے اور شیخ کے تقرب سے اس کی توجہ منقطع نہ ہو اور جب تمہیں یہ مسئلہ معلوم ہو گیا تو جان لو کہ جو رقم موم بتیاں اور تیل وغیرہ میں اولیاء اللہ کے مزارات پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لے جایا ہے۔ وہ اجماع مسلمین سے حرام ہے، جب تک اس سے زندہ فقرا پر خرچ کرنے کی نیت نہیں کی جائے یہ قول واحد ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر نذر، اللہ کے لیے کی جائے اور شیخ کا ذکر تعین مصرف کے لیے ہو یا صرف ایصال ثواب کی خاطر کسی درگاہ میں کچھ ہدیہ پیش کیا جائے تو جائز ہے۔ اور جب صرف ایصال ثواب مقصد ہو نذر نہ ہو تو وہ ہدیہ اغنیا، سادات اور خدام کے مزار کے لیے بلا اختلاف جائز ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۱۸)

مستقل کالم پہلی قسط

احادیث متشابہات! ایک مطالعہ

مولانا کوثر امام قادری

تجربات شاہد ہیں کہ استاذ جن خوبیوں کا جامع ہوتا ہے ،لائق فائق محنتی اور آخاذ طبیعت والے شاگرد پر استاذ کی وہ خوبیاں اثرانداز ہوتی ہیں اور اس کی سیرت وکردار، رفتاروگفتار، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تقریروخطاب اور کلام وبیان میں استاذ کے اثرات واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ میں نمایاں طور ہم اس کا مشاہدہ کرسکتے ہیں، حضور مفتیِ اعظم کے اندر تحقیقِ رَضا کی تابشیں، تقویٰ رضا کی تابانی، سوزِ رضا کی جلوہ گری اور تصنیفِ رضا کی جھلک، اسی طرح تاج الشریعہ حضور مرشدی اختر رضا خاں قادری از ہری کے اندر، مفتیِ اعظم کی سیرت وکردار ،طرز تحقیق اور انداز فتویٰ نویسی کا عکس، کامل طور پر نظر آتا ہے۔یہ تو ہوئی عام بشر کی بات، اب ہمیں پلٹنا ہے ان استاذ وشاگرد کی طرف جن کی کوئی مثال نہیں، استاذ وہ ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع اور نور ہی نور ہے، اور شاگرد وہ ہے جو اپنے خالق کے نور سے عالم ظہور میں آیا ہے۔وہ ہے تو بشر، مگر نوری بشر، استاذ ایسا جو اپنے محبوب شاگرد کو سارے عالم سے بے نیاز کر کے خود تعلیم وتربیت بھی دے، جمیع ما کان وما یکون کا علم بھی سکھائے، اور ساری دنیا کی نگاہوں سے بچا کر کھلائے پلائے بھی۔شاگرد ایسا کہ اپنی ہر حرکت میں مرضیِ معلم کا محتاج رہے، وہی کرے جو اس کا استاذ فرمائے، اور وہی بولے جو اس کا معلم چاہے۔۔۔سبحان اللہ!

رسول گرامی وقار ﷺ کا معلم ،رب ذوالجلال ہے، خالق ارض و سما ہے، مالک ہفت آسماں ہے، اس کے مقدس کلام کا نام ''قرآن کریم'' ہے، قرآن ابدی، لافانی اور معجزاتی کلام ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ''کلمات متشابہات'' استعمال ہوئے ہیں ،جب معلم حقیقی نے '' کلمات متشابہات'' ارشاد فرمایا تو محبوب شاگرد کے کلام میں بھی '' کلمات متشابہات'' کی جلوہ گری ہوئی۔قرآن مقدس میں پائے جانے والے متشابہات کو '' آیات متشابہات'' کا نام دیا جاتا ہے اور حدیث رسول میں پائے جانے والے متشابہات کو ''احادیث متشابہات'' کہا جائے گا

پیش نظر مضمون میں قارئین، ان بعض احادیث کا مطالعہ کریں گے جو متشابہات کی ذیل میں آتی ہیں، اس سے پہلے متشابہات کی تعریف اور اس کا حکم تفصیل کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے۔

قرآن پاک اور حدیث شریف کے اکثر کلمات ایسے ہیں جن کا معنیٰ مراد ظاہر و معلوم ہے، جنہیں علمی زبان میں ''محکم'' کہا جاتا ہے، لیکن کچھ ایسے کلمات بھی ہیں جن کا معنی یا تو لفظ سے ظاہر ہی نہیں، جیسے ''حروف مقطعات''۔یا معنیٰ تو ظاہر ہے، مگر اللہ ورسول کی وہ مراد نہیں، اگر مفہوم ظاہر کو معنیٰ مراد متعین کیا جائے تو سخت قباحتوں کا سامنا کرنا پڑے، اور عقلاً ونقلاً دونوں اعتبار سے باطل قرار پائے، اس قسم کے جتنے بھی کلمات قرآن و حدیث میں مذکور ہیں انہیں متشابہات کہا جاتا ہے۔

تعریف:۔"المتشابہ فھو اسم لما انقطع رجاء معرفۃ المراد منہ" (نورالانوار، ص:۹۷) یعنی متشابہ ایسے کلام کا نام ہے، جس کی مراد سمجھنے کی امید منقطع ہو چکی ہو، اور اس کے ظاہر ہونے کی امید بالکل ہی نہ ہو۔

امید منقطع ہونے کے اسباب:۔امید منقطع ہونے کے دو اسباب ہیں، ایک تو یہ کہ کلام مجمل تھا۔امید تھی کہ سرکار دوعالم ﷺ اس کی وضاحت فرمادیں گے، مگر آپ کا وصال ہوگیا اور معنیٰ مراد واضح نہ ہوسکا، تو اس عارض کے سبب امید ظہور منقطع ہوئی، یا خود سرکار دوعالم ﷺ سے امید ظہور کا منقطع ہونا منقول ہوگیا، کیوں کہ انسان معنیٰ مراد کے سمجھنے پر قادر نہ تھا، بہر حال کلمات کے معنیٰ مراد واضح نہ ہوسکے۔اب ایسی صورت میں ان کلمات متشابہات کی تشریح کس طرح کی جائے گی، اور اس بارے میں کیا نظریہ وخیال رکھا جائے گا، تو اس کے لیے تین شکلیں سامنے آتی ہیں۔

تعیین مراد کی تین شکلیں:۔اول: لفظ، جو باعتبار لغت ظاہر ہو، وہی مراد تسلیم کیا جائے، یہ اصحاب ظواہر کا مذہب ہے، جو سراسر گم راہی وضلالت کی طرف لے جانے والا ہے۔دوم: اس میں تاویل کی جائے، اور رب تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ کے شایان شان جو معنیٰ سمجھ میں آئے وہ متعین کیا جائے، یہ علمائے متأخرین کا مذہب ہے جو بہتر ومضبوط ہے۔سوم: ان کلمات کے حق وصداقت پر ایمان لایا جائے، اور ان کے معنیٰ مراد کو اللہ ورسول کے سپرد کیا جائے، یہ سلف صالحین اور علمائے متقدمین کا مذہب ہے۔اس میں ایمان کی زیادہ سلامتی ہے اور یہی اسلم واصلح طریقہ ہے۔

حکم متشابہ:۔حضرت شیخ ملا جیون لکھتے ہیں: "وحکمہ اعتقاد ان المراد بہ حق وان لم نعلم قبل یوم القیامۃ ،واما بعد القیامۃ فیصیر مکشوفا لکل احد ان شاء اللہ ،وھذا فی حق الامۃ واما فی حق النبی

ﷺ فكان معلوماً والا تبطل فائدة التخاطب ويصير التخاطب بالمهمل كالتكلم بالزنجي مع العربي" (نورالانوار،ص:۹۸) یعنی، متشابہ کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد حق ہے، اگر چہ اس کی مراد ہم کو قیامت سے پہلے معلوم نہیں ہوگی، اور قیامت کے بعد اس کی مراد ہر شخص پر منکشف ہو جائے گی، لیکن یہ امت کے حق میں ہے، اور نبی کریم ﷺ کو متشابہ کی مراد دنیا میں معلوم ہے، ورنہ مخاطب کا فائدہ باطل ہو جائے گا، اور مہمل الفاظ کے ساتھ خطاب کرنا ایسے ہوگا جیسے عربی حبشی سے عربی زبان میں بات کرے۔

حضرت ملا جیون کی عبارت سے ایک اور بات معلوم ہوئی کہ متشابہات کا علم رسول اللہ ﷺ کو ہے، اور یہی قول علامہ آلوسی کا بھی ہے۔ لکھتے ہیں: جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ متشابہات کا علم صرف اللہ کو ہے وہ شاید اس کا انکار نہیں کریں گے کہ نبی کریم ﷺ کو وحی کے واسطے سے متشابہات کی تعلیم دی گئی ہے، اور نہ اس کا انکار کریں گے کہ ولی کامل کو الہام کے ذریعہ متشابہات کا تفصیلی علم جائز ہے، البتہ ان کا علم اللہ کے علم کی طرح محیط نہیں ہوگا، اور اگر رسول اللہ ﷺ اور اولیاے کاملین کو تفصیلی علم نہ بھی ہو تو اجمالی علم ضرور ہوگا، اور ان کے لیے اجمالی علم کا انکار وہی کرے گا، جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے اولیاے کاملین کی قدر و منزلت نہ ہو۔ (روح المعانی، ج:۳،ص:۸۷)

خموشی میں سلامتی :۔ حضرت امام آلوسی کی نظر میں علماے متقدمین کا مذہب زیادہ سلامتی والا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق جو آیات متشابہات نازل ہوئی ہیں ،مثلاً ''استواء''، ''ید'' اور ساق وغیرہ ،اسی طرح احادیث میں اللہ تعالیٰ کے ''نزول''، ''ضحک'' اور ''تعجب'' کا ذکر ہے، ان سے متعلق سلف اور امام اشعری کا مذہب یہ ہے کہ صفات عقل کے ماوراثابت ہیں، ہم اس کے مکلّف ہیں، کہ ان کے ثبوت کا اعتقاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور تشبیہ سے پاک ہے۔ تا کہ نقل عقل کے مخالف نہ ہو، اور متأخرین نے ان صفات کی تاویل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ استوا سے مراد ''استیلا وغلبہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد استقرار ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ ① نے فرمایا: کیف غیر معقول ہے، اور استوا غیر مجہول ہے، اس کا اقرار کرنا ایمان اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔ (روح المعانی، ج:۳،ص:۸۷۔۸۸)

امام بیہقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''حكينا عن المتقدمين من اصحابنا ترك الكلام في امثال ذالك هٰذا مع اعتقادهم نفي الحد والتشبيه والتمثيل عن الله سبحانه وتعالىٰ'' (کتاب الاسماء والصفات،ص:۳۹۷)

یعنی، ہم اپنے اصحاب متقدمین کا مذہب لکھ چکے کہ ایسے نصوص (کلمات متشابہات) میں اصلاً لب نہ کھولے جائیں، اور اس کے ساتھ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہونے یا مخلوق سے کسی بات میں مُشابہ و مانند ہونے سے پاک ہے۔

امام سفیان بن عیینہ رضی اللہ فرماتے ہیں: ''ما وصف الله تعالىٰ من نفسه في كتابه فتفسيره تلاوته والسكوت عليه'' (کتاب الاسماء والصفات،ص:۳۱۲) یعنی، اس قسم کی جتنی صفتیں اللہ عز وجل نے قرآن عظیم (یا احادیث رسول میں اس کے نبی نے) میں بیان فرمائی ہے ان کی تفسیر یہی ہے کہ تلاوت کیجیے اور خاموش رہیے۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''ليس لاحد ان يفسره بالعربية ولا الفارسية'' (کتاب الاسماء والصفات،ص:۲۹۸) یعنی، کسی کو جائز نہیں کہ عربی میں خواہ فارسی کی زبان میں اس کے معنیٰ کہے۔

حضرت امام بیہقی فرماتے ہیں: ''والا ثار عن السلف في مثل هٰذا كثيرة وعلىٰ هٰذه الطريقة يدل مذب الشافعي رضي الله عنه واليها ذهب احمد بن حنبل والحسين بن الفضل بلخي ،ومن المتأخرين ابو سليمان الخطابي (کتاب الاسماء والصفات،ص:۳۸۰) یعنی، اس باب میں سلف صالح سے روایت وبکثرت ہیں اور اس طریقۂ سکوت پر امام شافعی کا مذہب دلالت کرتا ہے، اور یہی مذہب امام احمد بن حنبل، امام حسین بن الفضل بلخی اور متأخرین سے امام ابوسفیان خطابی کا ہے۔

سیدنا امام محمد حنفی تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں:"اتفق الفقھا کلھم من المشرق الی المغرب علی الایمان بالقرآن وبالاحادیث اللتی جاء ت بھاالثقات عن رسول اللہ ﷺ فی صفۃ الرب من غیر تشبیہ ولا تفسیر فمن سر شیأً من ذالک فقد خرج عما کان علیہ النبی ﷺ وفارق الجماعۃ فانھم لا یصفوا ولم یفسروا ولٰکن آمنوابما فی الکتاب والسنۃثم سکتوا" (فتاویٰ رضویہ جدید، ج:۲۹،ص:۱۳۴) یعنی، شرق سے غرب تک ائمۂ مجتہدین کا اجماع ہے، کہ آیات قرآن عظیمہ واحادیث صحیحہ میں جو صفات الٰہیہ آئیں، ان پر ایمان لائیں، بلاتشبیہ وبلاتفسیر تو جوان میں سے کسی کے معانی بیان کرے تو وہ نبی ﷺ کے طریقے سے خارج ہے۔ اور جماعت علما سے جدا ہوا، اس لیے کہ ائمہ نے ان صفات کا کچھ حال بیان فرمایا، نہ ان کے معنیٰ کہے، بلکہ قرآن وحدیث پر ایمان لاکر چپ رہے۔

سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی، فرماتے ہیں:

''صفات متشابہات کے باب میں اہل سنت کا عقیدہ تو معلوم ہولیا، کہ ان میں ہمارا حصہ بس اس قدر ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی جو کچھ مراد ہے ہم اس پر ایمان لائے۔ ظاہر لفظ سے جو معنیٰ ہماری سمجھ میں آئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ یقیناً پاک ہے، اور مراد الٰہی پر ہمیں اطلاع نہیں، لہٰذا ہم ان کا معنیٰ کچھ کہہ ہی نہیں سکتے، یا بطور تاویل کچھ کہیں بھی تو وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی شان قدوسی کے لائق اور آیات محکمات کے مطابق ہے'' (فتاویٰ رضویہ جدید، ج:۲۹،ص:۱۳۷)

حاصلات:۔ جس طرح قرآن میں ''آیات متشابہات'' ہیں اسی طرح حدیث میں بھی ''احادیث متشابہات'' ہیں۔ معنی متشابہات کے حق وثابت ہونے پر ایمان لایا جائے، اور اس کے مراد کو اللہ ورسول کے سپرد کیا جائے۔۔۔ متشابہات کا معنی مراد، رسول اللہ ﷺ کو بطور وحی معلوم ہے اور اولیاے کاملین کے لیے بطور الہام معلوم ہونا جائز ہے۔۔۔ تمام مسلمانوں کو بعد قیامت متشابہات کا علم حاصل ہوگا۔۔۔ معنی مراد کے بارے میں سکوت کیا جائے، اور اگر تاویل کی جائے تو وہی کہا جائے جو شان قدوسی کے لائق (اور عظمت رسالت کے شایان شان) ہو، اور دیگر آیات محکمات اور احادیث صحیحہ کے موافق ہو۔

وجہ سکوت:۔ کلمات متشابہات کے معنیِ مراد کے سلسلے میں سکوت کی وجہ یہ ہے کہ ان کلمات کے ظاہر معنیٰ سے باری تعالیٰ جل مجدہ کے لیے جسم، عضو، زمان، مکان، اور حرکت وغیرہ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، اور یہ ساری چیزیں مخلوقات کی صفات میں سے ہیں اور حادث ومخلوق ہیں۔ رب ذوالجلال ان سب صفات سے پاک اور منزہ ہے جو مخلوق کے اندر پائی جاتی ہیں اور ممکن وحادث ہیں۔

ایک نشست میں تین طلاق کی شرعی حیثیت

مفتی ازہار احمد امجدی ازہری

شریعت اسلامیہ میں طلاق کا تصور فطرت انسانی کا لحاظ کرتے ہوئے وجود میں آیا ہے، یہ بات ہر شخص جانتا کہ شادیاں عموما ایسے دو افراد کے درمیان ہوتی ہیں جو ایک دوسرے سے غیر مانوس ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ چند روز ہی میں ان دو افراد کے دلوں میں شادی کے بندھن میں بندھنے کے بعد ایسی محبت ڈال دیتا ہے، گویا کہ برسوں سے ان کا ایک دوسرے سے تعلق رہا ہے! لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عورت بد مزاج ہوتی ہے، شوہر یا لوگوں کو ایذا دیتی ہے، یا مرد نا مرد ہے، یا اس پر جادو کر دیا گیا وغیرہ، اب اگر ان صورتوں میں بھی ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا ہونے کا حق حاصل نہ ہو اور وہ ایک ساتھ رہنے پر مجبور کیے جائیں؛ تو مندرجہ ذیل خرابیاں لازم آئیں گی:

(الف) آپس میں ذہنی تناؤ رہے گا اور ایک دوسرے کی زندگی اجیرن ہونے کے کگار پر ہوگی، حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے شادی کا مقصد ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کر کے خوش حال زندگی گزارنا ہے۔

(ب) اولاد، بے راہ روی کا شکار ہو جائے گی، ان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا، کیوں کہ اولاد کی اولیں درسگاہ ماں ہوتی ہے، اور جب وہی بد مزاج ہوگی، تو اولاد بھی بدسلوکی کا شکار ہو جائے گی، حالانکہ اسلامی تعلیم کے پیش نظر نکاح کا مقصد اولاد حاصل کرنا اور ان کی صحیح تربیت کر کے اچھے معاشرے کو وجود بخشنا ہے۔

(ت) مرد یا عورت کے اندر کوئی ایسی کمی ہے جس کی وجہ سے آپس کی زندگی ناخوش گوار ہے، ایسی صورت میں معاشرہ تباہی کے دہانے پر جائے گا اور زنا وغیرہ جیسی وبا میں اضافہ ہوگا، مرد کا میلان کسی دوسری لڑکی طرف اور عورت کا میلان کسی دوسرے لڑکے کی طرف ہوگا، جس کا نتیجہ بہر حال معاشرے کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔

اگر غور کیا جائے، تو ان کے علاوہ اور بہت ساری خرابیاں واضح ہو کر سامنے آئیں گی جن سے شادی و ازدواجی زندگی گزارنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، انہیں ان جیسی دوسری خرابیوں سے دور رکھنے کے لیے اسلام نے طلاق جیسے قانون کو وجود بخشا۔

طلاق دینے کی تین صورتیں ہیں:

(الف) جس طہر یعنی پاکی کے دنوں میں اپنی عورت سے وطی نہ کی ہو اس میں ایک طلاق رجعی یعنی صریح لفظ سے طلاق دے اور چھوڑے رہے یہاں تک کہ عدت گزر جائے، یہ احسن طریقہ ہے۔

(ب) غیر موطوء یعنی جس سے ابھی وطی نہیں کی اس کو طلاق دی اگر چہ حیض یعنی ناپاکی کے دنوں میں دی ہو، یا موطوء کو تین طہر میں تین طلاقیں دیں بشرطیکہ ان طہروں وحیض کی حالت میں وطی کی ہو، یا تین مہینے میں تین طلاقیں اس عورت کو دیں، جسے حیض نہیں آتا مثلا نابالغہ یا حمل والی ہے یا ایاس یعنی حیض نہ آنے کی عمر کو پہونچ گئی؛ تو یہ سب صورتیں طلاق حسن کی ہیں۔

بدعی یہ ہے کہ ایک طہر میں دو یا تین طلاق، تین دفعہ میں یا دو دفعہ میں یا ایک دفعہ میں دیدے، خواہ تین بار لفظ کہے، یا یوں کہہ دیا کہ تجھے تین طلاقیں، یا ایک ہی طلاق دی مگر اس طہر میں وطی کر چکا ہے، یا موطوء کو حیض میں طلاق دی یا طہر ہی میں طلاق دی مگر اس سے پہلے جو حیض آیا تھا اس میں وطی کی تھی، یا اس حیض میں طلاق دی تھی، یا یہ سب باتیں نہیں مگر طہر میں طلاق بائن دی (بہار شریعت، ح۸ص۱۱۰بحوالہ مختار وغیرہ تعبیر میں تھوڑی تبدیلی کے ساتھ، مطبع: مکتبۃ المدینہ)

طلاق دینے میں احسن یا حسن طریقہ ہی اختیار کر کے ایک یا دو طلاق ہی دینی چاہیے تا کہ اگر دونوں پھر سے ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کے لیے آمادہ ہو جائیں؛ تو کوئی جھجک محسوس نہ ہو اور حلالہ کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

(۲) الف: مسلمان شوہر نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں طلاقیں دے دیں؛ تو اس کی بیوی پر تین طلاقین واقع ہو جائیں گی، خواہ شوہر نے تین بار میں تین طلاق دی ہو، مثلا یوں کہا: ''میں نے تم کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا'' یا ایک ہی بار میں تین طلاق دے دی ہو مثلا یوں کہا: ''میں نے تجھ کو تین طلاق دیا''۔

قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان، صحابہ کا عمل، سلف صالحین کا اجماع اور کتب فقہ اس پر شاہد عدل ہیں مندرجہ ذیل سطور میں بعض دلائل ملاحظہ فرمائیں:

قرآن مجید سے دلیل:

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:(الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان)سورہ بقرہ:۲ آیت:۲۲۹)

ترجمہ:(طلاق دو بار تک ہے ، پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے، یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا)

آگے مزید ارشادفرماتا ہے:(فان طلقها فلاتحل لہ من بعد حتٰی تنکح زوجاً غیرہ ان یقیما حدوداللہ وتلک حدود اللہ یبینہا لقوم یعلمون) (سورہ بقرہ:۲:آیت:۲۳۰)ترجمہ(پھر اگر شوہر نے اسے (تیسری)طلاق دے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، یہاں تک کہ دوسرے شوہر کے پاس رہے)

ان آیات میں تینوں طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے:

(الف)ایک اور دو طلاق تک شوہر کو رجعت کا اختیار ہے کہ چاہے؛ تو عورت کو واپس کرلے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

(ب) تیسری طلاق کے بعد رجعت کا اختیار نہیں اور عورت بغیر حلالہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا آیتوں میں تینوں طلاق کا حکم بیان کردیا گیا اور طلاق کا حکم مطلق رکھا گیا، کسی مجلس وغیرہ کے ساتھ مختص نہیں؛لہذا طلاق دینے والا دو یا تین طلاق خواہ ایک مجلس، یا الگ الگ مجلس، یا ایک جملہ میں تین طلاق دے بہرحال واقع ہوجائے گی۔

حدیث سے دلیل:

حضرت عامر شعبی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس سے کہا: آپ مجھے اپنی طلاق کا واقعہ بتائیں: تو انہوں نے کہا:

''میرے شوہر نے یمن کے لیے (گھر سے) نکلتے وقت مجھے تین طلاقیں دے دیں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں طلاقیں نافذ فرمادیں'' (سنن ابن ماجہ: ج ا ص ۶۵۲، باب من طلق ثلاثا فی مجلس واحد، رقم ۲۰۲۴، مطبع داراحیاء الکتب العربیہ)

وہابیوں کے امام شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی قابل قبول احادیث موجود ہیں مگر یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں؛ اس لیے اسی ایک حدیث کے ذکر کرنے کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

صحابی کے عمل سے دلیل:

حضرت مجاہد فرماتے ہیں: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص ان کے پاس آیا اور عرض کی:

''اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہے ،تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خاموش رہے، یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ یہ رجعت کا حکم دیں گے، کچھ دیر بعد فرمایا:

''تم میں ایک آدمی حماقت کر بیٹھتا ہے، پھر کہتا ہے ؛ اے ابن عباس، اے ابن عباس ،حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے: (ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا) ترجمہ: (جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے (گنجائش کی) راہ نکال دیتا ہے) اور تم تو اللہ سے ڈرتے نہیں: تو میں تمہارے لیے کوئی گنجائش کی راہ نہیں پاتا؛ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تیرے نکاح سے نکل گئی'' (ج۲ ص ۲۶۰، باب نسخ المراجعة بعد الطلیقات للثلاث (رقم : ۲۱۹۷، مطبع :المکتبة العصریہ، بیروت)

اجماع سے دلیل:

امام حجۃ الاسلام بصاص رازی حنفی رحمہ اللہ کتاب وسنت وآثار صحابہ سے استدلال کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع سلف سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ساتھ دی گئی تینوں طلاقیں لازماً ایک ساتھ واقع ہوجاتی ہیں اگر چہ گناہ ہے'' (ج ۲ص ۸۵، احیاء التراث العربی، بیروت)

مع اعتراض و جواب مزید تفصیل کے لیے استاذ محترم محقق مسائل جدیدہ سراج الفقہاء مفتی محمد نظام الدین دام ظلہ صدر شعبۂ افتا وصدر جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی کتاب ''ایک نشست میں تین طلاق کا شرعی حکم کتاب و سنت کی روشنی میں'' ملاحظہ فرمائیں۔

ب: ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں اور ایسی صورت میں شوہر سے دوبارہ نکاح کرنے کے لیے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے وطی کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ یہی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ ① سے مروی ہے، رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ نے اپنی عورت کو تیسری طلاق دے کر جدا کر دیا، پھر اس عورت سے عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ نکاح کر لیا، اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے آ کر عرض کیا: یارسواللہ! وہ رفاعہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھی، انہوں نے اسے آخری تیسری طلاق دے دی، اس کے بعد اس سے عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی، اور اللہ کی قسم یا رسول اللہ! حال یہ ہے کہ ان کے پاس اس قمیص کے کنارے کی طرح ہے راوی کہتے ہیں: اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، اور ابن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کمرے کے دروازے کے پاس بیٹھ کر داخل ہونے کی اجازت کا انتظار کر رہے تھے، اتنے میں خالد رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلانے لگے؛ اے ابوبکر! کیا آپ اس عورت کو حضور ﷺ کے پاس اس طرح کی بات کہنے سے نہیں روکو گے، اور رسول اللہ ﷺ صرف مسکراتے رہے، پھر حضور ﷺ نے فرمایا: (شاید تم رفاعہ دوبارہ شادی کرنا چاہتی ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ تم اس سے جماع کر لو اور وہ تم سے جماع کر لے) (صحیح البخاری، جلد نمبر: ۸ص: نمبر ۲۲ کتاب اللباس، باب التبسم والضحک، رقم: ۶۰۸۴، مطبع دار طوق النجاۃ)

رہی بات یہ کہ دوسرے سے شادی کرنا یہ عورت کے لیے سزا ہے؛ تو یہ غلط فکر کا نتیجہ ہے، غور کیا جائے؛ تو مندرجہ ذیل چیزیں واضح ہو کر سامنے آئیں گی:

(الف) اس حکم میں عورت کے لیے نہیں بلکہ مرد کیلیے سزا اور باعث ننگ و عار ہے، کہ اس کی عورت دوسرے کے پاس رہ کر دوبارہ اس کے پاس آ رہی ہے، اور یہ وہ سزا ہے جس سے وہ خود عبرت حاصل کر کے دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرے گا اور دوسرے لوگ بھی اس سے نصیحت پکڑیں گے اور اس طرح کی حرکت سے باز رہیں گے۔

(ب) یہ حکم عورت کے حق میں سزا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ عورت دوسرے مرد کے پاس اس سے نکاح کرنے کے بعد جاتی ہے اور نکاح: تو مسنون طریقہ ہے۔

(ت) اور اگر علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے کہ اس حکم میں عورت کے لیے سزا ہے ؛تو میں بتانا چاہوں گا کہ مرد کے تین طلاق دینے کے بعد عورت خود مختار ہوجاتی ہے، اس پر دوسری شادی کر کے پہلے شوہر کے پاس جانا فرض وواجب نہیں اور نہ ہی شریعت نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے ؛لہذا عورت اگر اس حکم کو سزا تصور کرتی ہے؛ تو اسے حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار کو استعمال کرے اور دوبارہ دوسرے شوہر کے پاس نہ جائے، اگر چہ حقیقت یہی ہے کہ اس حکم میں سزا و باعث ہتک عزت عورت کے لیے نہیں بلکہ مرد کے لیے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ: مسلمان عوام کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم شرعی میں عقلی دلیل نہ ڈھونڈیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو بلا چوں و چرا قبول کر لیں، اگر چہ کوئی حکم شرعی عقل سلیم کے خلاف نہیں مگر ہر حکم شرعی میں عقل سلیم ہی ہو، ضروری نہیں، لہذا عقلی دلیل تلاش کرنے یا چوں و چرا کرنے سے پرہیز کرنے ہی میں بھلائی وعافیت ہے۔

اتحاد واختلاف: ایک منطقی جائزۃ

مولانا غلام سید علی علیمی

مشہور نقاد اور دانش ور پروفیسر عابد حسین نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''قومی تہذیب کا مسئلہ'' کی ابتدا ان الفاظ میں کی ہے:

''علمی کاموں میں سب سے دقت طلب کام تعریف خصوصاً مجرد تصورات کی تعریف ہے۔ایک ایسا کلی تصور قائم کرنا جو بے شمار جزئیات کو اپنے احاطے میں لے لے بڑی دردسری چاہتا ہے۔سقراط سے جو ایتھنس والے عاجز آگئے تھے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ہر شخص کو مجرد تصورات مثلاً عدل شجاعت، عفت اور عشق کی تعریف پر مجبور تھا اور جرح کرتے کرتے اس کے ناک میں دم کر دیتا تھا مگر مشکل یہ ہے کہ عملی مسائل میں اس کے بغیر کام بھی نہیں چلتا۔ہم کلی اور مجرد الفاظ دن رات استعمال کرتے ہیں۔میرے ذہن میں ان کا کوئی واضح اور معین مفہوم نہیں ہوتا ہے۔چنانچہ علمی بحثوں میں جہاں موضوع بحث کا مفہوم میرے نزدیک کچھ اور ہوتا ہے اور آپ کے نزدیک کچھ اور بڑی الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔اس لیے مناسب یہ ہے کہ جن الفاظ پر ساری بحث کا دار و مدار ہو ان کا مفہوم بحث شروع ہونے سے پہلے معین کر لیا جائے۔''(۱)

لہذا ''اتحاد واختلاف'' جیسے مجرد تصورات کا مفہوم طے ہونا نہایت ضروری ہے۔

شاہ راہ حیات کے ہر ہر موڑ پر پیش نظر گروہ یا افراد کے مابین آپسی ہم نوائی اور اتفاق رائے کو اگر مثالی اتحاد فرض کیا جائے تو اس کا وجود نطق و فکر سے عاری، زبان و بیان سے عاجز جانوروں میں بھی پایا جانا تقریباً متعذر ہے چہ جائیکہ ان خوبیوں کے مالک مخلوق ''انسان'' میں۔ان کے درمیان اس چیز کو ڈھونڈھ نکالنا ہندوستان کے مغربی چھور پر کوہ ہمالہ تلاش کرنے والی بات ہوگی، کیوں کہ وہاں بجز کھارے پانی اور اتھاہ سمندر کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔کہنے کا مطلب یہ ہے اپنے عمومی مفہوم کے ساتھ اتحاد کا وجود اگر محال نہیں تو کافی حد تک شاید باید کے قبیل سے ہے۔اس کو مانتے تو سب ہیں۔گاہے گاہے اس کی نعرہ بازی بھی کر لیتے ہیں۔انقلابات اور تختہ پلٹ کرنے میں اس کو بطور ☠ استعمال بھی کرتے ہیں۔اکثر اس کی پرزور حمایت اور بلند بانگ وکالت بھی کرتے ہیں مگر (معاف فرمائیے گا!) یہ حقیقت ہے کہ یہ کوئی ایسی کلی نہیں جس کا وجود خارج میں ضروری ہو۔یہ حقیقت ہے کہ اتحاد من کل الوجوہ کوئی سماجی حقیقت نہیں، اس کا حال مساوات انسانی وقار (Human dignity) وغیرہ سے مختلف نہیں کہ اگر طاقت وقوت کے بل پر ان کو زندگی کے ہر ہر شعبے میں نافذ کرنے کی کوشش کی جائے، تو زندگی اجیرن ہو جائے گی، اور یرن ہی کیا معمول واعتدال سے ہٹ کر بدنظمی اور انا کی راہ پر لگ جائے گی۔جیسا کہ کمیونسٹ نظریات کے حامل ممالک میں اس کا مشاہدہ کیا جا چکا ہے۔

عالمی شہرت یافتہ فلسفی اور ماہر اقتصادیات کارل مارکس (Kark Marx) کے اقتصادی اور سماجی نظریات سے متاثر ہو کر بعض ممالک نے فلسفۂ کمیونیزم کی پرزور وکالت کی جس میں طبقہ بندی سے خالی سماجی تفاوت واختلاف سے دور سماج میں یقین کیا جاتا ہے، اور کسی بھی طبقے کے استحصال کی مخالفت کی جاتی ہے۔

اس فلسفہ پر سب سے پہلے عمل کرنے والوں میں روس کا نام لیا جاتا ہے پھر اس کے بعد چین کا۔ان لوگوں نے دنیا میں مساوات اور برابری لانے کے لیے تمام حدود پار کر دیا۔بہت لوگوں نے طبقاتی تفریق واختلاف کو ختم کرنے یا کم کرنے لے اس فلسفہ کو قبول بھی کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ: ع چمکتا جو نظر آئے وہ سب سونا نہیں ہوتا

اس فلسفہ کے مطابق غریب لوگوں کو چاہیے کہ انہیں جس چیز کی ضرورت ہو اسے امیروں اور صاحب ثروت لوگوں سے جس طرح چاہیں حاصل کر لیں خواہ اس کے لیے جبر واکراہ کی حد تک ہی کیوں نہ جانا پڑے یعنی اس ضمن میں وہ مار پیٹ، چوری ڈکیتی تک کر سکتے ہیں کیوں کہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی گاڑھی کمائی آسانی سے دینے سے رہا!!! اگر غریب لوگ اس فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے مالداروں کو لوٹنا شروع کر دیں تو ہوگا یہ کہ کل کے مالدار آج کے غریب ہو جائیں گے اور کل کے غریب آج کے مالدار ہو جائیں تو مساوات کہاں ہوئی؟ یہ تو غنڈا راج ہوا۔

معاشی اور سماجی اختلاف کرنے کے چکر میں چین کے مشہور رہنما Mao-Tse-Tung نے ایک نیا گل کھلایا ،ان کے مطابق سرمایہ داری کے خاتمے کے ذریعہ سماجی مساوات قائم نہیں ہو پائی لہذا اسے لانے کے لیے ثقافتی انقلاب لانے کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ ان افکار وخیالات میں تبدیلی لائی جائے جو سرمایہ دارانہ نظام کے عادی لوگوں کے قلوب واذہان میں رچ بس گیے ہیں۔اپنے اس نظریہ کو عمل کا جامہ پہنانے کے لیے ماؤ نے بڑے بڑے عہدوں پر فائز حضرات کو چھوٹے کام پر مامور کرنا شروع کردیا مثلاً پروفیسروں کو،کوئلے کے کان میں کام کرنے پر آمادہ کیا ،شاعروں اور ادیبوں کو پھرا ٹھانے کو کہا ،ذرا سوچئے !ان شاعروں پر کیا گزری ہوگی جو محبوب کی ہلکی سی مسکراہٹ پر مر مٹتے ہیں اور بوڑھے پروفیسروں کو بھی مت بھولیے جنکی پوری زندگی تحقیق وریسرچ میں گذری ہو جب ان سے کدال چلانے کا مطالبہ کیا گیا ہوگا ؟ ہوا، وہی جو منطقی طور سے ہونا چاہیے تھا۔

یعنی ہر شعبہ اس کے نااہل لوگوں کے ہاتھ میں پڑ کر تباہی کی راہ پر لگ گیا ،بہر کیف دھیرے دھیرے یہ فلسفہ کمزور ہوتا گیا اور اس کے حامیوں کی تعداد بھی کم سے کم تر ہوگئی۔آج بھی دنیا میں عدم مساوات ہے اور غالبًا یہ رہتی دنیا تک باقی رہنے والی حقیقت ہے۔

لیکن اگر ان مجرد تصورات سے مکمل چشم پوشی کی جائے تو حقائق سے ڈرنے کی اعلیٰ مثال ہوگی۔کذاب ہوگا وہ شخص جو ان تمام چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا ،اور لچر قسم کے دلائل دے کر اس کا ایک لخت انکار کرتا ہے،ہم بعض چیزوں میں ان لوگوں کے ساتھ بھی متحد ہیں جن سے سیدھے منہ بات کرنا ہمارے لیے عذاب معلوم ہوتا ہے،ہم میں سے کون ہے جو اس بات کا انکار کرے کہ وہ انسان نہیں ہے شاید کوئی عقل سلیم ،رکھنے والا ایسا ہرگز نہیں کرے گا،ہمیں بعض چیزوں میں ان لوگوں سے برابری کا دعویٰ کرنا پڑتا ہے جن کے ذکر سے ہماری ناک اور بھوں تن جاتی ہیں ہم کتنے ہیں جو اس بات کا انکار کریں کہ وہ اس دنیا کی مخلوق نہیں ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اضافی اصطلاحات (Relative terms) کے اعتبار سے بیک وقت متحد ہیں اور باہم مختلف بھی۔

ہدیہ

کسی بھی تحریک کا عروج اور اس کی ارتقا کسی نہ کسی ایسے جواں ہمت اور متحرک وفعال قائد کی رہین منت ہوتی ہے جو اس کے نشیب و فراز اور اسرار ورموز سے واقفیت رکھتا ہو، نیز اس کی سنگلاخ وادیوں ،پر پیچ گھاٹیوں اور خاردار جھاڑیوں سے دامن بچا کر بہ حسن وخوبی گزر جانا جانتا ہو اور ساتھ ہی دوسروں کو بھی بآسانی گزار نے کا بہترین ہنر رکھتا ہو۔

چوں کہ ہماری یہ تحریری تحریک ''بزم فیضان رضا'' کا علمی ،عملی اور فکری نتیجہ ہے اور ہماری اس تحریک کو بام عروج تک پہونچانے کی تمام تر ذمہ داریاں ہمارے مشفق ومہربان اساتذہ خصوصاً ادیب شہیر حضرت مولانا کلام احمد صاحب قبلہ ازہرالقادری، فاضل جلیل حضرت مولانا احمد رضا صاحب قبلہ امجدی اور عالم نبیل حضرت مولانا بدرالدین احمد صاحب قبلہ نوری کی ہیں۔جن میں سے ہر ایک کی اپنی معنوی قیادت اپنی مثال آپ ہے۔اس ضمن میں دیگر تمام اساتذۂ کرام کے ساتھ ہم موصوف ادیب شہیر کے بے حد ممنون ومشکور ہیں کہ جن کی کامل رہنمائی اور معنیٰ خیز قیادت کے زیر سایہ ہم تحریری دنیا کا سفر کررہے ہیں۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم اپنے ان معزز علمائے کرام اور ذوی الاحترام اصحاب لوح وقلم کا شکریہ ادا نہ کریں، جنھوں نے موصوف ادیب شہیر کے توسط سے اپنے مضامین ومقالات کے ذریعہ بہر صورت ہماری ہمت افزائی کی ہے۔ان موصوفین ارباب علم ودانش اور اصحاب قرطاس وقلم کے علاوہ ادارتی بورڈ کی زینت بنے علم وفضل کے درخشندہ و تابندہ ستاروں کے بھی ہم تہ دل سے شکرگزار ہیں۔

خاک پائے علمائے ذوی الاحترام

شہر عالم قادری	اشتیاق احمد نیپالی	محمد شفیق نیپالی
محمد احمد امدادی	مشاہد رضا قادری	آصف رضا رضوی
احمد رضا قادری	رضوان قادری	محمد کیف رضا مشاہدی
قمرالزماں نیپالی	عبدالاحد قادری	محمد سعد رضوی

قسط اول

طب نبوی اور سائنس

حکیم محمد اسرائیل ظفر

تلبینہ: یا جو کا دلیا جسے کوٹ کر اسے دودھ میں پکاتے ہیں اور شہد سے میٹھا کر کے استعمال کرتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے اہل خانہ میں سے جب کوئی بیمار ہوتا تھا تو حکم ہوتا کہ اس کے لیے جو کا دلیا تیار کیا جائے پھر فرماتے تھے کہ یہ بیمار کے دل سے غم کو اتار دیتا ہے اور اس کی کمزوری کو یوں اتار دیتا ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنے چہرے کو پانی سے دھو کر اس سے غلاظت اتار دیتا ہے۔ (ابن ماجہ) حضرت عائشہ صدیقہ بیمار کے لئے تلبینہ تیار کرنے کا حکم دیا کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اگر چہ بیمار اس کو ناپسند کرتا ہے لیکن اس کے لیے از حد مفید ہے۔ (بخاری) حضرت عائشہ صدیقہ کی ایک اور روایت ہے کہ جب کوئی حضور اقدس ﷺ سے بھوک کی کمی کی شکایت کرتا تو آپ اسے تلبینہ کھانے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ تمہارے پیٹوں سے غلاظت کو اس طرح اتار دیتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے چہرے کو پانی سے دھو کر صاف کر لیتا ہے۔ یہ بات تجربات سے ثابت ہے کہ تلبینہ واقعی مندرجہ ذیل امراض کے لیے مجرب اور لاجواب ہے۔

☆ دل کی دھڑکن اور ہائی بلڈ پریشر۔ ☆ خون میں چربی کی زیادتی اور گاڑھا پن۔ ☆ دل کے والو کی پیچیدگیاں دور کرتا ہے ☆ معدہ کی خشکی اور گرمی لیے۔ ☆ معدہ کی تیزابیت کے لیے۔ ☆ نگاہ کی کمزوری میں مفید ہے۔ ☆ بھوک کی کمی کے لیے مجرب ہے۔ ☆ بیماری کے بعد کی کمزوری کو رفع کرتا ہے۔ ☆ دائمی قبض کو دور کرتا ہے۔ ☆ حاملہ عورت کو فائدہ مند ہے۔ ☆ بچوں کے لئے بہترین ٹانک ہے۔ ☆ وسوسے اور وحشت قلب کے لئے لاجواب ہے۔ ☆ پیشاب کے امراض خاص طور پر اس کی جلن کو مفید ہے۔ ☆ گردے کے انفکشن حتی کہ گردے فیل ہو گئے، اس وقت استعمال کرنا بہت مفید پایا۔ ☆ جن مریضوں کو گردے کی پتھری بار بار بنتی ہو اگر وہ اسے مستقل استعمال کریں تو پتھری بننے کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ ☆ بعض امراض میں گردے سے پیپ پیشاب کے راستے آتی ہے ایسی حالت میں تلبینہ مفید اور آزمودہ ہے۔ ☆ دماغی محنت کرنے والوں کے لئے پیام امید اور راحت ہے۔

جو کا دلیہ یا تلبینہ سائنس کی نگاہ میں

دلیا ایک نئی معجز نما غذا ہے۔ امریکہ کے ماہرین غذائیت نے دریافت کیا کہ یہ خون میں شکر اور چربی کی مقدار کو متوازن اور منظّم رکھتا ہے۔ لہٰذا اب جو کے دلیے کو ذیابیطس کے علاج اور اس سے تحفظ دل کی بیماری اور بلند فشار خون میں تجویز کیا جانے لگا۔

جو میں چیپ دار (گوند جیسے) ریشے ہوتے ہیں اور دلیا تیار کرتے وقت نظر آتے ہیں۔ دلیا خون کے کولیسٹرول کو ایک تہائی کم کر دیتا ہے اور خون کی شکر اور چربیوں کو بھی گھٹا دیتا ہے جو کی بھوسی میں یہ ریشہ خصوصیت کے ساتھ بہت ہوتا ہے اور گیہوں کی بھوسی میں گوند بہت کم ہوتی ہے اس لئے جو کی بھوسی صحت بخش غذا کی حیثیت سے گیہوں کی بھوسی سے بہتر ہے۔

میوز لی ایک امریکی کھانا ہے اس میں جو کے ساتھ خشک میوہ جات اور مغزیات وغیرہ کو استعمال کرایا جاتا ہے لیکن اب سے پہلے اس امر کی کوئی سائنس شہادت موجود نہیں تھی۔

اب یہ پہلا موقع ہے کہ تحقیق کاروں نے اس کا سائنس مطالعہ کر کے یہ معلوم کیا ہے کہ یہ ایک ایسی خاص غذا ہے جو خون کے کلیسٹرول کو کم کرتی ہے۔ لوگ ہسپتالوں میں عام طور پر ۳۰۰ ڈگری کا کولیسٹرول لے کر آتے ہیں جو کافی خطرناک حد ہے۔ جب واپس ہوتے ہیں تو خون کولیسٹرول ۱۹۵ ہوتا ہے جو نسبتاً محفوظ حالت ہے۔

جب برطانیہ کہ ماہرین غذائیات نے بہت زیادہ ریشے دار غذا بالخصوص سبوس گندم کا مشورہ دینا شروع کیا تو اینڈرشن نے اس کا اپنے مریضوں پر تجربہ کیا۔ ان کی حالت سنبھلنی شروع ہوگئی لیکن اینڈرشن نے معلوم کیا کہ اس کی وجہ سبوس گندم نہیں بلکہ پھلیاں ہیں۔

پھلیاں بالخصوص فراش بین (سیم کی قسم کی پھلی ہے) جس کے بیج گردے کی شکل کے ہوتے ہیں، اس میں مرکب کاربوہائیڈریٹس ہوتے ہیں جو جو کے گوند جیسے مادے کا تجربہ اس کے امکان میں تھا اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ خون سب میں بہتر ہے۔

یہ حضور اقدس ﷺ کی خاص غذا تھی اور وہ اس کو بھوسی سمیت تناول فرماتے تھے۔ جو اور جو کا پانی طب اسلامی میں مریضوں کے لیے بہترین غذا تصور کی جاتی ہے۔ اینڈ رسن نے اب ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے جو کے استعمال کے طریقے کی وضاحت کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کھر دری اور سخت غذا سے ذیابیطس کے ۶۰ فیصد لا علاج اور ۹۰ فیصد فربہ مریض ایسے تھے جن کو انسولین یا کسی اور دوا کے استعمال کی ضرورت نہیں رہی اور اس غذا کو استعمال کرنے سے ذیابیطس سے جو عام پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے۔

اینڈ رسن کا بیان ہے کہ جو کا (گوند جیسا) ریشہ قولون میں پہنچتا ہے تو اس میں ان جراثیم کے عمل سے جو تخمی تیزابیات پیدا کرتے ہیں، خمیر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تیزابیات خون میں جذب ہو جاتے ہیں اور جسم کے نشاستہ سے جو شکر (گلوکوز) پیدا کراتا ہے، شکر کی پیدائش کو روک دیتے ہیں۔ اس سے خون میں شکر کی مقدار کم اور مستحکم ہو جاتی ہے اور یہ بات ذیابیطس کے مریضوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ مفید ہوتی ہے۔

روغن زیتون کی مالش اور جدید سائنس

حضرت عمر ابو اسیدؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو اس لیے کہ وہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔ (شمائل ترمذی۔ مشکوۃ۔ داری۔ رہبر زندگی) حضرت علقمہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لیے زیتون کا تیل موجود ہے اسے کھاؤ اور بدن پر مالش کرو کیونکہ یہ بواسیر میں فائدہ دینا ہے۔ (ابن السنی۔ ابونعیم) زیتون کے تیل سے علاج کرو، اسے کھاؤ اور لگاؤ کیوں کہ یہ ایک مبارک درخت ہے۔ (کنزل العمال)

زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ کیونکہ اس میں ستر بیماریوں سے شفا ہے جس میں ایک کوڑھ بھی ہے۔ (ابن ماجہ۔ الحاکم) مساج یا مالش کی تاریخ خود بنی نوع انسان کی تاریخ جتنی پرانی ہے تین ہزار سال قبل مسیح چین کے ایک بادشاہ ''فو'' کی تحریروں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ قدیم یونان میں بھی مساج علاج معالجے کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔

اس کے بعد ہالنڈ، آسٹریلیا اور امریکہ میں باقاعدہ مساج سینٹر قائم اور امریکن ہیلتھ اکیڈمی نے ساج کی سا ⌑ اہمیت کو بہت اجاگر کیا ہے۔ آج کے جدید دور میں بھی مالش کا کوئی متبادل طریقہ کار سامنے نہیں آیا۔ بعض اوقات ایسے مریض بھی آتے ہیں جن کا علاج صرف مساج یا مالش سے ہی ممکن ہے مثال کے طور پر ہائی بلڈ پریشر ہو اور اسے کوئی چوٹ لگ جائے یا کوئی اور عارضہ ہو جائے تو اسے گرم دوائی نہیں دی جاسکتی اس کا متبادل مالش ہے۔

مالش ہمیشہ صاف ستھرے شخص سے کرانی چاہیے جس کے ہاتھ صابن سے دھلے ہوئے ہوں اور اس کے ہاتھ نرم ہوں۔ ہلکے ہاتھوں سے مالش کی جائے۔ پورے جسم کی مالش کی جائے۔ خاص طور پر کمر، پنڈلیاں، گردن، بازو اور پشت کی مالش ضروری ہے۔ کھلاڑیوں کیلئے خاص طور پر اس کی افادیت مسلم ہے۔ پہلوانوں کی غذا کم اور تیل خاص طور پر زیتون کے تیل کی مالش زیادہ رہتی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے تیل لگاؤ ایسے درد جو کسی دوا سے نہ جاتے ہوں (خاص طور پر چوٹ کا درد) اس کے لیے زیتون کا تیل بہت مفید ہے۔ فزیوتھراپسٹ فالج، پولیو اور عضلاتی کھچاؤ کے مریض کو زیتون کے تیل کی مالش کراتے ہیں۔ ''جسم کی مالش سے طاقت اور قوت بڑھتی ہے۔'' یہ ایک ایسا کھلا ہوا راز ہے جو ہمارے ملک کے جہلاء کو بھی معلوم ہے۔ کشتی لڑنے والے پہلوانوں کا گھنٹوں اپنے بدن پر تیل ملوانا اور گھر کی بڑی بوڑھیوں کا تاکید کر کے ننھے بچوں کے بدن پر تیل کی مالش کرانا اس بات کا ثبوت ہے کہ عوام مالش کے فائدوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ بچوں کے کمزور سینے مالش سے بہت جلد طاقت ور ہو جاتے ہیں۔ کمزور بچوں کے لئے مالش ایک نعمت ہے۔ جن بچوں کا سینہ کمزور ہو۔ ان کے سینوں کی مالش روزانہ کی جائے۔ مالش ہاتھ کی ہتھیلوں سے آہستہ آہستہ کی جائے اور بچے کے سینے پر زیادہ بوجھ نہ دیا جائے۔ کمزور بچوں کے لئے مچھلی کا تیل یا روغن زیتون کی مالش بہت مفید ہے۔ سر میں تیل کی مالش سے بال بڑھتے ہیں آنکھ اور دماغ کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ پاؤں اور ہاتھ کے تلوؤں پر مالش کرنے سے بینائی تیز ہوتی ہے۔ مالش سے خشکی رفع ہوتی ہے، بلغم، خون اور گرمی میں اعتدال پیدا ہوتا ہے اور تکان دور ہوتی ہے۔ مالش کے فوراً بعد غسل نہیں کرنا چاہیے۔ کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ضرور ہونا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ

کی فلاسفہ کے نظریات پر تنقید

مفتی ریاض حیدر حنفی

فلاسفہ نے اپنے مزعومات اور مزخرفات کی بنیاد پر اسلامی معتقدات پر ضرب کاری لگانے کی سعی اور ذہنی ارتقا کے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ اس دنیا کے مشاہدات کو لیکر جو دنیا ہماری نگاہوں کے سامنے ہے اس دنیا کو بھی ناپنے اور جانچنے کی کوشش کی جو بعد دینوی سے ہے جسے برزخ، آخرت، مبداومعاد کہا جاتا ہے، اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان جہلا نے اپنے عقلی گھوڑے الہیات، نبوات، ذات وصفات، جزاوسزا، جنت وجہنم اور دیگر امور غیبیہ کی سرحدوں تک دوڑایا، نتیجہ جو ہوا وہ اہل علم پر مخفی نہیں، مسلسل ٹھوکر، کہیں اس وادی میں کوئی ہلاک ہوا تو دوسرا کسی اور وادی میں دم توڑ گیا، مکمل تباہی، دائمی بربادی لازمۂ حیات بن گیا، ظاہر میں ان نادانوں کی مثال اس اندھے جیسی ہے جو بالکل آنکھوں کی روشنی سے محروم ہو، خود راستہ چلنے کے لیے دوسرے کا محتاج ہو، مگر سہارا لینے کے بجائے خود ہی رہبر رہنما بننے کی تباہ کن ہوس میں آگے چلنے لگے، دوسرے کچھ اس طرح کے لوگ اس کو ہادیٔ طریق مان کر اس کے پیچھے چل پڑیں، ایسے لوگوں کا انجام کیا ہوگا، سوا بربادی اور تباہی کے، ان کا مقدر اور کیا ہوسکتا ہے، ایسے کم نظر اور قرب خوردہ لوگ جو اپنے ہی خیال ومفروضات کو یقین واعتماد کا آخری درجہ دے دیں، دوسرے کے دلیل وبراہین کو دیکھنے کی بھی زحمت نہ کریں، اور نہ ہی دوسرے کی بات سنیں ایسے لوگ ''سراب'' کو پانی سمجھ کر مطمئن ہو بیٹھے ہیں۔

اسلام وایمان جو ایک ابدی حقیقت ہے جہاں تخمین وظن کام نہیں کرتے بلکہ یقین واعتماد کی پر بہار فضائیں دل ودماغ کو معطر کرتی ہیں ایسے پر بہار سبزہ زاروں میں رہنے والے باذوق لوگ کسی خزاں رسیدہ ماحول میں زندگی گذارنے کو موت سے کم درجہ نہیں دیتے۔

یہی بنیاد وجہ کہ علمائے اسلام اپنی تصنیفات، اپنے مضامین اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں اہل فلسفہ کے گمراہ کن نظریات کی بھرپور اور زبردست انداز میں تردید کرتے رہے، اور انکے گڑھے اور خود ساختہ اصولوں کے بخئے ادھیڑ دیئے، حتیٰ کہ امام رازی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں فلسفہ کو مسلمان بنا دیا۔

چودہویں صدی ہجری میں ایک نابغۂ روزہستی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی جسے دنیا نے ''اعلیٰ حضرت'' فاضل بریلوی کے عمدہ لقب سے جانا اور پہچانا جس کے علم وفضل کی موسلا دھار بارش نے کئی بے آب وگیاہ بنجر نا، قابل کاشت علوم کی زمینوں کو سرسبز وشاداب کر کے انہیں پھلوں اور پھولوں سے مالا مال کر دیا۔

ایسی دیدہ ورہستی بھلا اہل فلسفہ کی پھیلائے ہوئے گمراہ کن نظریات، ان کے مفروضات اور ان کے مزعومات کے تباہ کن اثرات سے اپنا دامن کیسے نہ بچا جاتی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی اہل فلسفہ کے ان اصولوں اور بنیادوں پر ضرب کاری لگائی کہ پوری عمارت فلسفہ زمیں بوس ہوگئی، اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ملاحظہ فرمائیں کہ کہاں کہاں اور کس کس انداز سے اعلیٰ حضرت نے فلسفہ کی دیواروں کو ڈھایا ہے۔

عرض۔ حضور خلا ممکن ہے۔

ارشاد۔ خلا بمعنی فضا تو واقع ہے اور خلا بمعنیٰ فضا خالی عن جمیع الاشیاء موجود تو نہیں لیکن ممکن ہے فلاسفہ جتنی دلیلیں بیان کرتے ہیں جزء لا یتجزیٰ اور خلا وغیرہ کے استحالہ میں وہ سب مردود ہیں، کوئی دلیل فلاسفہ کی ایسی نہیں جو ٹوٹ نہ سکے، فلاسفہ نے جتنی دلیلیں قائم کی ہیں وہ سب اتصال اجزا کو تو باطل کرتی ہیں وجود جز کو باطل نہیں کرتیں، اور ترکب جسم کے لیے اتصال ضروری نہیں، دیوار جسم مرکب ہے اور اس کے اجزا متصل نہیں۔

عرض۔ حضور مقابلہ تو نکلے گا اور ایک وہ سطح نکلے گی جو مقابل ہوگی اور ایک وہ جو مقابل نہ ہوگی پھر تقسیم ہو جائے گی؟

ارشاد۔ مقابلہ کل؛ سے ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ اصول موضوعہ میں لکھا ہے کہ سطح اور خط اور نقطہ موجود خارجی ہیں، اب ہم ایک نقطہ سے تین خط ایک جانب کو ایک حد تک کھینچیں، ہر خط کی انتہا پر نقطہ ہوگا: ہم پوچھتے ہیں کہ یہ تینوں نقطے ہر ایک آپس میں کل سے مقابل ہیں یا جز سے۔ اگر جزء سے مانا جائے تو نقطے کے اجزاء ہو جائیں گے، حالانکہ نقطہ متجزی نہیں، تو ثابت ہوا کہ کل سے مقابلہ ہوسکتا ہے۔

(فرمایا) کہ میں نے جز لایتجزیٰ کا قرآن عظیم سے اثبات کیا ہے فرماتا ہے''**ومزقنهم كل ممزق**''اور ہم نے ان کو پارہ پارہ کردیا پارہ پارہ کرنا ممزق بمعنی اسم مفعول نہیں کہ اس صورت میں تحصیل حاصل ہوگی بلکہ بمعنیٰ مصدر ہے (ملفوظ حصہ چہارم ص/۱۵)

الہیات ونبوات ومعاد کو جو میزان عقل سے تولنا چاہے گا وہ لغزش کرے گا، عقائد سمعیہ کے بارے میں ان نصوص شرعیہ کے ہاتھوں میں ایسا ہو جائے گا جیسے غسال کے ہاتھ میں میت۔ اور بس "آمنا به كل من عند ربنا" یہ راستہ سیدھا ہے اور یہ عطا ہوتا ہے۔

فلاسفہ نے گمراہی کی انتہا کردی کہ مولیٰ عزوجل کے سوا کئی اور اشیاء کے قدیم ہونے کے قائل ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان کے ان گمراہ کن خیالات کا بڑی شدت سے دفاع فرمایا اور عقیدۂ اہل سنت و جماعت یہ ہے کہ ذات وصفات الٰہی کے سوا کوئی اور شئی قدیم نہیں۔

عرض۔ فلاسفہ کہتے ہیں جز لایتجزیٰ باطل ہے اگر باطل مانا جائے اور ہیولیٰ اور صورت کی قدامت باطل کردی جائے تو اسلام کے نزدیک اس میں کیا برائی ہے۔

ارشاد۔ اگر جز لایتجزیٰ نہ مانا جائے تو ہیولی اور صورت کے قدم کا راستہ کھلے گا، ان دلائل فلاسفہ کا اٹھانا، پھر طویل وعریض مباحث چاہے گا، اس لئے ہمارے علماء نے اسے سرے سے رد فرمادیا اگر بہ کشتن روز اول باید'' دین اسلام میں ذات وصفات الٰہی کے سوا کوئی شئی قدیم نہیں، رب العزت فرماتا ہے''بديع السموت والارض'' نیا پیدا فرمانے والا آسمانوں اور زمین کا۔ اور حدیث میں "كان الله ولم يكن شئی" ازل میں اللہ تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا، غیر خدا کے علاوہ کسی شئی کو قدیم ماننا کفر ہے (ملفوظ دوم ص/۵۳)

علم الٰہی اس کی صفت ہے اور صفات باری تعالیٰ کے بارے میں عقیدۂ اہل سنت و جماعت یہ ہے کہ اس کی صفات "لا عينه ولا غيره" چونکہ فلاسفہ بر بنائے جہالت وسفاہت علم الٰہی کو بھی فعل وانفعال کی طرف تقسیم کرتے ہیں، مجدد اعظم رضی المولیٰ عنہ نے اس کا بھی رد بلیغ فرمایا اور مسئلہ حقہ اہل سنت و جماعت کو واضح فرمایا ملاحظہ فرمائیں۔

عرض۔ باری تعالیٰ کا علم قبل مخلوقات فعلی تھا وہ کس صورت میں تھا۔

ارشاد۔ یہ لفظ آپ نے فلاسفہ کا کہا، کہ وہ علم الٰہی کو فعل وانفعال کی طرف منقسم کرتے ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک اللہ انفعال سے پاک ہے اور علم الٰہی صورت منزہ سے، جیسے اس ذات کی کنہ کوئی نہیں جان سکتا، یوں ہی اس کی صفات کی، فلاسفہ نے جو کہا کہ علم نام صورت حاصلہ عند العقل کا ہے غلط ہے، ان سفہا نے اصل وفرع میں فرق نہ کیا، علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت ہوتی ہے، نہ کہ حصول صورت سے علم، علم وہ نور ہے جو شئی اس کے دائرے میں آگئی منکشف ہوگئی، وہ جس سے متعلق ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی، جب فلاسفہ اپنے علم کو نا پہچان سکے تو علم الٰہی کو کیا پہچانیں گے، حق سبحانہ تعالیٰ ذہن و صورت وارتسام ونور عرضی سب سے منزہ ہے، اس کا علم حضور معلوم کا محتاج، اس کا علم حضوری وحصولی دونوں سے منزہ ہے، اس کا علم اور اس کی صفت قدیمہ قائمہ بالذات لازم نفس ذات ہے، اور کیف سے منزہ۔ وہاں چوں وچگوں اور چرا و چساں کا دخل نہیں، ہم نہ اس ذات سے بحث کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی صفت سے۔

نفس ناطقہ (روح) کے بارے میں فلاسفہ مختلف الرائے ہیں، کوئی جسم اور روح میں اعتباری فرق کا قائل ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، اس روح کے بارے میں مجدد اعظم کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں (ملفوظات دوم ص/۵۴)

افلاک۔ فلاسفہ آسمانوں کے لیے خرق والتیام نہیں مانتے، اسی وجہ سے ان جہلا نے معراج اور شق القمر جیسے معجزات کا انکار کیا، اس سلسلہ میں فاضل بریلوی قدس سرہ نے جو سیدھا راستہ بتایا وہ آب زر سے لکھکر لوح دل پر نقش کرلیا جائے فرماتے ہیں۔

''الٰہیات ونبوات ومبدا ومعاد جو میزان عقل سے تولنا چاہے گا وہ لغزش کرے گا، عقائد سمعیہ کے بارے ان نصوص شرعیہ کے ہاتھ میں ایسا ہو جائے جیسے غسال کے ہاتھ میں میت بس''آمنا به كل من عند ربنا'' یہ راستہ سیدھا ہے اور عطا ہوتا ہے''

یہ ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی جن کے فکر وفن کے مینار اتنے اونچے ہیں کہ جہاں بوعلی سینا، سقراط وبقراط، عبدالحکیم نیز بڑے بڑے مناطقہ وفلاسفہ بونے بونے سے نظر آتے ہیں، ایک طرف اعلیٰ حضرت اگر فلاسفہ کے گمراہ کن نظریات پر تنقید وتبصرہ کرتے ہیں تو اسی کے ساتھ ایمانیات کے ہی اصل ہونے پر زور دیتے ہیں، جس کا واضح مطلب فاضل بریلوی کے مطابق یہ ہے کہ کسی فن کا امام ہو جانا کسی فن کا شیخ بن جانا اور اس سے بھی اونچا کوئی مقام حاصل کرلینا کمال نہیں بلکہ مومن بن جانا یہ البتہ باعث صد افتخار واعزاز ہے۔

مغربی دنیا بانیِ اسلام سے گھبراتی کیوں ہے؟

مولانا احمد رضا امجدی

رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات سے متعلق اسلام مخالف مکاتب فکر کے ارباب علم و دانش کی طرف سے جس طرح کے حسد و بغض ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں اور انہیں اپنے تئیں پیغمبر اعظم ﷺ کی ذات کریمہ سے جو خوف اور گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے اس کی بنیادی وجہ کیا ہے اس کا جاننا بہت ضروری ہے۔

کروڑوں انسان جن کی رسالت و نبوت ،امانت و دیانت ،صداقت و عدالت ،طہارت و نفاست ،عظمت و رفعت ،رحمت و شفقت ،شوکت و حشمت ،اور عزت و کرامت ، پر بلا کسی خارجی دباؤ کے ہر زمانے میں یقین رکھتے آئے ہیں اور آج یہ تعداد بڑھ کر عربوں کھربوں تک پہنچ گئی ہے ، کرۂ ارضی کوئی ایسا حصہ نہیں جہاں قمریاں ان کی ذات کا قصیدہ نہ پڑھ رہی ہوں ، آخر کیا وجہ ہے کہ یورپ کے کچھ اہل علم ایسی ذات سے خائف اور لرزاں و ترساں نظر آتے ہیں۔

یہ بات ذہن نشیں ہونی چاہئے کہ جس سے خوف اور گھبراہٹ ہو ،نفرت و حقارت اور حسد و بغض ہو یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ واقعتاً قابل نفرت اور لائق ملامت ہی ہو ، کیوں کہ ہر انسان اپنی طبیعت و اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر ہی دوسروں سے محبت و نفرت کرتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ وہ محبت کرنے کا معیار بھی متعین کر لیتا ہے۔

خارج میں واقعتاً وہ صحیح بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ، اسی کو مثالوں کی دنیا میں اس طرح سمجھ سکتے ہیں ، ایک شخص کے اندر شراب نوشی ، جوا بازی ، زنا کاری اور بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں ، فتنہ و فساد پھیلانے اور شہروں اور ملکوں کے امن و اماں کو خراب کرنے کی طرف اس کا میلان زیادہ پایا جاتا ہے ، ایسے شخص کے نزدیک لوگوں کے لیے محبت اور نفرت کا معیار یہ ہوگا کہ جو بھی ان برائیوں میں ملوث ہوگا ، بدکاروں کی حمایت کرے گا ، زیادہ سے زیادہ ان برائیوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے اسباب و وسائل فراہم کر کے لوگوں کو ان برائیوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے مواقع فراہم کرے گا ، مذکورہ شخص کو اس کے کالے کرتوتوں پر شاباشی دے گا تو ایسے شخص کے لیے اس کے دل میں نرم گوشہ ہوگا اس سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت کرے گا ، اس کی ہر طرح کی نصرت و حمایت کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہے گا ،

اگر وہی شخص اس کے کالے کارناموں پر قدغن لگاتا ، اس کے غلط کرتوتوں پر تنقید کرتا ، اس کی بدفعلیوں اور بدکاریوں کے خلاف آواز بلند کرتا تو معاملہ پہلے سے برعکس ہوتا ، اس کے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ کی جگہ نفرت و حقارت ، حسد و بغض اور انتقام کی چنگاریوں کا ایک دہکتا شعلہ پروان چڑھتا۔ یہیں پر ایک دانشمند سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص ان برائیوں کے مرتکب کی حمایت کر رہا ہے ، کیا واقعی محبت کا حقدار ہے؟ اور جو شخص ان برائیوں کے خلاف آواز اٹھاتا ہے ، کیا وہ واقعی نفرت کا مستحق ہے؟ عقلمند کا جواب یہی ہوگا کہ صرف اپنے مفادات کے تحفظ اور منفعت کے حصول کے لیے یا صرف اپنے اغراض و مقاصد کو سامنے رکھ کر دوسرں سے محبت اور نفرت کے معیار کو بروے کار لاے گا ، یہ میعار صرف اسی کے نزدیک صحیح اور درست ہو سکتا ہے ورنہ حقائق کی دنیا میں یہ میعار باطل محض غیر متوازن تصور کیا جاے گا۔

دیکھئے نا! باطل پرستوں میں حق پرستوں سے ، جھوٹھوں میں سچوں سے دروغ گویوں میں حق گویوں سے طبعی نفرت پائی جاتی ہے ، بلکہ ہر ظلمت کو نور سے ، ہر تاریکی کو اجالے سے ، ہر گرم کو سرد سے ہر آگ کو پانی سے نفرت ہوتی ہے ، لیکن کیا واقعتاً حق پرست ، حق گو اور سچا شخص باطل پرست ، جھوٹے اور دروغ گو کی طرف سے نفرت کے لائق ہی ہے؟ کیا نور ، اجالا ، سیم ، پانی بری چیزیں ہیں۔

یہیں سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ مغربی مفکرین ، یورپین اہل علم و دانش ، مستشرقین ، اور ہندو مصنفین و مقررین پیغمبر اسلام سرور عالم ﷺ سے جیسی نفرت و حقارت اور حسد و بغض رکھتے ہیں اور اپنے رسائل و جرائد ، روز نامے ہفت روزہ ، ماہ نامے ، سال نامے ، کتابوں ، کتابچوں اور میڈیا کے ہر قسم کے آلات کے ذریعہ آپ کی ذات کریمہ کے تعلق سے جس تلخ لب ولہجہ کا استعمال کرتے ہیں ، وہ ان کا اپنا اخلاق و کردار ہے۔

صحیح معنوں میں اسلام اور بانیِ اسلام کے تئیں ان کا یہ رویہ بہر حال مذموم ہے ، لیکن کریں کیا اگر وہ حقائق سے صرف نظر کو اپنا محبوب مشغلہ نہ بنائیں تو ظاہر ہے کہ ان کی قوم انہیں لات مار کر پیغمبر اسلام کی آغوش تعلیم و تربیت میں پناہ گزیں ہو جائے ، اسی لیے آئے دن نت نئے فتنے کو جنم دینا ان کا طرۂ امتیاز بن چکا ہے۔

(قسط اول)

فتنۂ الحاد اور ہماری ذمے داریاں

مولانا محمد عباس ﷺ حی ازہری ریسرچ اسکالر ''الازہر یونیورسٹی'' قاہرہ مصر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کی برکت سے امت محمدیہ سے اجتماعی عذاب اٹھالیا ہے یعنی اب اس امت پر کوئی ایسا عذاب نہیں آئے گا کہ جس سے پوری امت ہلاک وبرباد ہوجائے۔لیکن اہل ایمان کے امتحان اور آزمائش کے لیے فتنے برابر پیدا ہوتے رہیں گے۔چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''کل شی ینقص الاالشر فانہ یزاد فیہ'' ہر چیز میں کمی ہوگی لیکن شر(فتن) میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔''فتنہ'' عربی زبان کا لفظ ہے جو متعدد معانی کے لیے قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔لیکن معروف معنی دنگا فساد ہی ہے اور اسی معنی میں یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے۔روزمرہ کی گفتگو میں بھی ''فتنۂ فساد'' وغیرہ الفاظ ہم استعمال کرتے رہتے ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق امت محمدیہ مسلسل فتنوں کا شکار رہے گی۔آج جب ہم عالم پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو حرمین شریفین سے لے کر تمام عرب ممالک ،ایشیا، یورپ ،افریقہ اور امریکہ سبھی خطے شرور وفتن کی لپیٹ میں ہیں،آفات ومصائب کا ایک عالمی طوفان ہے جو بڑھتا چلا جا رہا ہے،فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں، دینی وعلمی فتنے،ملکی وقومی فتنے،تہذیب وتمدن کے فتنے،آرائش وآشائش کے فتنے ،سرمایہ داری کے فتنے ،غربت وافلاس کے فتنے،اخلاقی وسیاسی فتنے،عقل پرستی کے فتنے،داخلی وخارجی فتنے حتیٰ کہ نورانی اور روحانی فتنے۔ایک تسلسل کے ساتھ تمام فتنے دنیا میں پھیلتے چلے جا رہے ہیں، دنیا کا کوئی بھی خطہ شاید ایسا نہیں جو فتنوں سے بالکلیہ محفوظ اور مامون ہو،اور انتہائی کرب ناک صورت حال یہ ہے کہ دشمنان اسلام کی سازشوں کے نتیجے میں عالم اسلام فتنوں کی آماج گاہ بن کر رہ گیا ہے۔

اسلام کے نام پر فتنے ،اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال میں فتنوں کی ایک شورش برپا ہے۔فریق مخالف کے خلاف کفر وضلال کی مشین گن تھامے ہر کوئی اسلام کا ٹھیکیدار نظر آتا ہے۔یورپ سے درآمد شدہ دانشور مسلمانوں کے ایمان کو ختم یا کم از کم کمزور کرنے کے لیے آئے دن ''نئی تحقیق'' اور ''جدید ریسرچ'' کے نعرے بلند کررہے ہیں۔قلمی جولانیاں، زبان کی سلاست وروانی، چرب زبانی کے ذریعے اذہان وعقول کو متاثر کرکے احکام دین سے باغی کرنا ان کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ان سے اور کچھ نہ بن پڑتے تو اچھے بھلے مسلمان کو اس کے عقائد وافکار کے حوالے سے شک میں تو ڈال ہی دیتے ہیں۔

اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ہم مسلمانوں نے اپنے خالق سے بے پروائی اختیار کر لی ہے۔اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ "ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا" جو ہماری یاد سے منہ موڑے گا اس کی زندگی تنگ ہوجائے گی۔

آج ہماری پستی وذلت کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہم نے خالق کائنات سے روگردانی کر رکھی ہے،فتنوں کی اس بھرمار میں سب سے خطرناک ایمان سوز فتنے ہیں؛ کیونکہ کسی بھی مسلمان کے لیے سب سے قیمتی چیز ایمان ہے، جب متاعِ ایمان ہی لٹ جائے تو دنیا وآخرت کی سب خیریں گویا چھن گئیں چنانچہ احادیث میں فتنۂ دجال؟ کو بڑا فتنہ قرار دیا ہے کیونکہ وہ ایمان کے لیے خطرناک ہوگا۔انہیں جاں سوز فتنوں میں سے ایک ''فتنۂ الحاد'' ہے۔ جس کا معنی: راہِ راست سے ہٹ جانا، بے دینی اور مذہب بیزاری اختیار کرنا ہے۔یعنی حق سے منحرف ہوکر اس میں بے بنیاد داخل کر دینا۔اور دینی احکام کے بارے میں غلط قسم کی تاویلیں کرنا مختصر یوں کہہ لیں کہ دین میں تحریف، ردوبدل یا دین کے نام پر دین سے دوری کا نام الحاد ہے۔اس فتنہ الحاد سے اسلام اور اہل اسلام کا واسطہ کوئی نیا نہیں، جب سے اسلام آیا تب سے اسلام میں تحریف کرکے لوگوں کو اسلام سے دور کرنے والے بھی موجود ہیں۔اسی زمانے سے ملحدین نے دینی احکام کو کھیل اور مذاق سمجھ کر تاویلات باطلہ کا نشانہ بنائے رکھا۔اور مسلمانوں کو ان کے دین سے کانٹے دور کرنے کی ہرممکن کوشش کی۔علمائے اسلام اپنی شرعی اور دینی ذمہ داری کی بدولت ان فتنوں کا تعاقب کرتے رہے۔اور نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ سلسلہ دراز ہوتا رہا اور آج ہم ان فتنوں کا سامنا کررہے ہیں ان فتنوں کا یقینی نتیجہ مذہب بیزاری، دینی تشکیک وتذبذب، تمام امت اسلامیہ کی تجہیل اور تحمیق اور قدیم علمائے امت اور حاملین دین کو ناقابل اعتماد مجرم قرار دینا اور اسلام کی پوری تاریخ تاریک در تاریک دکھلانا ہے،طرفہ تماشا یہ ہے کہ اِس ''تحرف دین'' کا نام ''تحقیق اسلام'' اور ''الحاد فی الدین'' کا نام ''اظہار حقیقت'' رکھا جاتا ہے جب اہل یورپ اپنے ممالک سے نکل کر مشرق و مغرب میں پھیلنا شروع ہوئے انیسویں صدی کے آخر تک وہ دنیا کے بڑے

حصے پر اپنی حکومت قائم کر چکے تھے۔ان کی نو آبادیات میں مسلم ممالک کی اکثریت بھی شامل تھی۔اہل یورپ نے ان ممالک پر صرف اپنا سیاسی اقتدار ہی قائم نہیں کیا بلکہ ان میں اپنے الحادی نظریات کو بھی فروغ دیا۔مغربی ملحدین نے عیسائیت کی طرح اسلام کی اساسات پر بھی حملہ کیا مسلم ممالک میں ان کے نظریات کے خلاف چار طرح کے ردعمل سامنے آئے:

۱۔مغربی الحاد کی پیروی

۲۔مغرب کو مکمل طور پر رد کرنا

۳۔مغرب کی پیروی میں اسلام میں تبدیلیاں کرنا

۴۔مغرب کے مثبت پہلو کو لے کر اسے اسلامی سانچے میں ڈھالنا

مسلم اشرافیہ

پہلا ردعمل مسلمانو کی اشرافیہ (Elite) کا تھا۔ان کی اکثریت نے اہل مغرب اوران کے الحاد کو کلی یا جزوی طور پر قبول کر لیا۔اگر چہ اپنے نام اور بنیادی عقائد کی حد تک وہ مسلمان ہی تھے،لیکن اپنی اجتماعی زندگی میں وہ الحاد اور لادینیت کا نمونہ تھے۔بیسویں صدی کے وسط میں آزادی کے بعد بھی ان کی یہ روش برقرار رہی۔ان میں سے بعض تو اسلام کی تعلیمات کے کھلم کھلا مخالف تھے،جن ترکی کے مصطفی کمال پاشا،ایران کے رضا شاہ پہلوی،تیونس کے حبیب بورغبیہ اور پاکستان کے جنرل یحیٰ خان شامل ہیں۔مسلم حکمرانوں کی اکثریت نے اگر چہ اسلام کا کھلم کھلا انکار نہیں کیا لیکن وہ عملی طور پر الحاد ہی سے وابستہ رہے۔چونکہ مسلم عوام کی اکثریت کا سیاسی و معاشی مفاد انہی کی پیروی میں تھا،اس لیے عوام الناس میں الحاد پھیلتا چلا گیا۔

روایتی مسلم علما

دوسرا ردعمل روایتی مسلم علما کا تھا۔انہوں نے اہل مغرب کے نظریات کو یکسر مسترد کر دیا۔انہوں نے مغربی زبانوں کی تعلیم،مغربی علوم کے حصول،مغربی لباس کے پہننے اور اہل مغرب کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلق کو حرام قرار دیا۔انہوں نے اپنے مدارس کے ماحول کو قرون وسطیٰ کے ماحول میں ڈھالنے کی کوشش کی۔انہوں نے دور جدید میں کسی مسئلے پر اجتہادی انداز میں سوچنے کی بجائے قدیم ائمہ کی حرف بہ حرف تقلید پر زور دیا۔برصغیر میں اس نقطۂ نظر کو ماننے والے بڑے بڑے علما تھے جن کے نقطہ نظر کو پورے ہندوستان کے دینی مدارس نے قبول کیا۔

اگر چہ ان علما میں کچھ مسلکی اور فقہی اختلاف موجود تھے،لیکن مغرب کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر بالکل یکساں تھا۔اگر چہ ان میں سے بعض مغربی زبانیں سیکھنے اور مغربی علوم کے حصول کے مخالف نہ تھے لیکن عملاً ان کا رویہ اس سے دوری ہی کا رہا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے میں ان کا اثر و نفوذ کم سے کم تر ہوتا چلا گیا اور ان کے نقطۂ نظر کو ماضی کی چیز سمجھ لیا گیا۔جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان سے بیزار ہونے لگا اور آہستہ آہستہ یا تو پہلے نقطۂ نظر کو قبول کر کے الحاد کی طرف چلا گیا یا پھر اس نے تیسرے اور چوتھے نقطۂ نظر کو قبول کیا۔معاشرے میں اب ان اہل علم کا کردار یہی رہ گیا کہ وہ مسجد میں نماز پڑھا دیں،کسی کے گھر میں ختم قرآن کر دیں،یا پھر نکاح،بچے کی پیدائش اور جنازے کے وقت چند رسومات ادا کر دیں۔عملی زندگی میں ان کے کردار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے وقت لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ یہ انتظار کر رہے ہوتے ہیں کہ کب مولوی صاحب وعظ ختم کریں اور وہ مسجد میں جا کر نماز جمعہ ادا کریں۔جیسے ہی وعظ ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے،لوگ جوق در جوق مسجد کی طرف آنے لگتے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے لوگوں کو ان کے وعظ اور تقاریر سے کوئی دلچسپی نہیں۔انہی روایتی علما میں سے بعض نے جدید دنیا کے علوم سے واقفیت حاصل کر کے عصر حاضر کے زندہ مسائل کو اپنا ہدف بنایا ہے۔عام روایتی علما کی نسبت ان کا اثر و نفوذ معاشرے میں بہت زیادہ ہے اور ان کی دعوت کو سننے والے افراد کی کوئی کمی نہیں۔

متجددین

اس دور میں امت [ ] کی علمی و فکری قیادت برصغیر اور مصر کے اہل علم کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔بعض مسلمان مفکرین نے اسلام کو جدید الحادی نظریات سے منطبق (Recocile) کرنے کی کوشش کی۔انہوں نے اس مقصد کے لیے اسلام کے بعض بنیادی عقائد و اعمال کا بھی انکار کر دیا۔اس نقطۂ نظر کو ماننے اور پھیلانے والوں میں ہندوستان کے سرسید احمد خان،اور مصر کے طٰہٰ حسین اور سعد زغلول شامل ہیں اسی فکر کو بیسویں صدی میں غلام احمد پرویز اور ان کے شاگرد ڈاکٹر عبدالودود نے پیش کیا۔روایتی اور جدید نقطۂ نظر کے حامل علما کے اثر و رسوخ کے پیش نظر اس فکر کو مسلم معاشروں میں عام مقبولیت حاصل نہ ہو سکی،تاہم اس سے اشرافیہ کا ایک اہم حلقہ ضرور متاثر ہوا۔

جدید مصلحین

چوتھا ردعمل ان اہل علم کا تھا جو روایتی علما کے قدیم علمی ورثے کے ساتھ ساتھ جدید علوم سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ان لوگوں نے مغرب کے الحادی افکار پر کڑی نکتہ چینی کی اور تیسرے نقطۂ نظر کے حامل علما کے برعکس اسلام کو معذرت خواہانہ انداز کی بجائے باوقار طریقے سے پیش کیا۔انہوں نے روایتی علما پر تنقید کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت تو ناقابل تغیر ہے لیکن قرون وسطیٰ کے علما نے اپنے ادوار کے تقاضوں کے مطابق جو قانون سازی کی تھی،اس کی تشکیل نو (Reconstruction) کی ضرورت ہے۔روایتی علما کے بر عکس انہوں جدید سائنس وٹیکنالوجی کے حصول پر زور دیا اسی نقطۂ نظر کے حاملین نے عالم اسلام میں بڑی بڑی تحر ⏲ برپا کیں جنہوں نے جدید طبقے کو اسلام سے متعارف کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔روایتی علما کی نسبت انہیں تعلیم یافتہ طبقے میں کافی زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کے اثرات اپنے اپنے معاشروں پر نہایت گہرے ہیں۔

الحاد نے عیسائیت اور اسلام کے بنیادی عقائد یعنی وجود باری تعالیٰ،رسالت اور آخرت پر حملہ کیا اور اس کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلائے،خدا کے وجود سے انکار کردیا گیا،رسولوں کے تاریخی وجود کا ہی انکار کردیا گیا اور آخرت سے متعلق طرح طرح کے سوالات اٹھائے گئے۔اس ضمن میں ملحدین کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوسکی کیوں کہ یہ تینوں عقائد مابعد الطبیعاتی حقائق سے تعلق رکھتے ہیں جسے اس دنیا کے مشاہداتی اور تجرباتی علم کی روشنی میں نہ تو ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ رد کیا جاسکتا ہے۔ان ملحدین نے عیسائیت پر ایک اور طرف سے بڑا حملہ کیا اور وہ یہ تھا کہ قرون وسطیٰ کے عیسائی علما نے اپنے وقت کے کچھ سا ⌑ اور فلسفیانہ نظریات کو اپنے نظام عقائد (Theology) کا حصہ بنالیا تھا جیسے زمین کائنات کا مرکز ہے اور سورج اس کے گرد گھومتا ہے۔جب جدید سا ⌑ تحقیقات سے یہ نظریات غلط ثابت ہوئے تو بہت سے لوگوں کا پوری عیسائیت سے اعتماد اٹھا اور انہوں نے فکری طور پر بھی الحاد کو اختیار کرلیا۔

اسلام میں چوں کہ اس قسم کا کوئی عقیدہ نہیں،لہذا اسلام اس قسم کے حملوں سے محفوظ رہا۔یہی وجہ ہے کہ الحاد کو مغرب میں تو بہت سے ایسے پیروکار مل گئے جو ہر قسم کے مذہب سے بیزاری کا اعلان کرکے خود کو فخریہ طور پر ملحد (Atheist) کہتے ہیں لیکن مسلمانوں میں انہیں ایسے پیروکار بہت کم مل سکے۔مسلمانوں میں صرف ایسے چند لوگ ہی پیدا ہوئے جو زیادہ تر کمیونسٹ پارٹیوں میں شامل ہوئے۔اگر ہم کمیونسٹ تحریک سے وابستہ نسلی مسلمانوں کا جائزہ لیں تو ان میں سے بھی بہت کم ایسے ملیں گے جو خود کو کھلم کھلا دہریہ یا ملحد کہلوانے پر تیار ہوں،عیسائیت پر ملحدین کا ایک اور بڑا حملہ یہ تھا کہ انہوں نے انبیائے کرام بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے وجود سے انکار کردیا، انہوں نے آسمانی صحیفوں بالخصوص بائبل کو قصے کہانیوں کی کتاب قرار دیا۔اس الزام کا کامیاب دفاع کرتے ہوئے کچھ عیسائی ماہرین آثار قدیمہ نے اپنی زندگیاں وقف کرکے علمی طور پر یہ بات ثابت کردی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک تاریخی شخصیت ہیں اور بائبل محض قصے کہانیوں کی کتاب ہی نہیں بلکہ اس میں بیان کئے گئے واقعات تاریخی طور پر مسلم ہیں اور ان کا ثبوت آثار قدیمہ کے علم سے بھی ملتا ہے۔یہ الحاد کے مقابلے میں عیسائیت کی بہت بڑی فتح تھی۔

اسلام کے معاملے میں ملحدین ایسا نہ کرسکے کیوں کہ قرآن اور حضرت محمد ﷺ کی تاریخی حیثیت کو چیلنج کرنا،ان کے لیے علمی طور پر ممکن نہ تھا۔انہوں نے اسلام پر حملہ کرنے کی دوسری راہ نکالی۔ان میں سے بعض کوتاہ قامت اور علمی بد دیانتی کے شکار افراد نے چند من گھڑت روایات کا سہارا لے کر پیغمبر اسلام ﷺ کے ذاتی کردار پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی،لیکن وہ اس میں بری طرح ناکام ہوئے کیوں کہ ان من گھڑت روایات کی علمی وتاریخی حیثیت کو مسلم علما نے احسن انداز میں واضح کردیا جسے انصاف پسند ملحد محققین نے بھی تسلیم کیا۔ان محققین نے رسول ﷺ کی ذات کی عظمت کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔خدا کی ذات سے متعلق جو شکوک وشبہات ان ملحدین نے پھیلائے تھے،اس کی بنیاد چند سا ⌑ نظریات پر تھی۔بیسویں صدی کی سا ⌑ تحقیقات (جو خود ان ملحدین کے ہاتھوں ہوئیں) نے یہ بات واضح کردی کہ جب سا ⌑ نظریات پر انہوں نے اپنی عمارت تعمیر کی تھی،بالکل غلط ہیں۔اس طرح ان کی وہ پوری عمارت اپنی بنیاد ہی سے منہدم ہوگئی جو انہوں نے تعمیر کی فکری اور نظریاتی میدان میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ الحاد اسلام کے مقابلے میں ناکام رہا مگر عیسائیت کے مقابلے میں اسے جزوی فتح حاصل ہوئی البتہ سیاسی،معاشی،معاشرتی اور اخلاقی میدانوں میں الحاد کو مغربی اور مسلم دنیا میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

علماوعوام کے مابین بڑھتی خلیج! اسباب وعوامل

مولانا محمد آزاد رضوی ﷺ حی

آج امت ﷺ معیشت و معاشرت ،سیاست وصحافت ، صنعت وحرفت دولت وثروت اور علم وفن وغیرہ جملہ شعبہ ہائے حیات میں جو تنزلی اور انحطاط سے دوچار ہے اس کے اسباب وعوامل کا احصا اور استقصا حد درجہ مشکل ہے ،مگر ان سب اسباب میں مرکزی وعمادی سبب وہ خلیج ہے جو علما عوام کے مابین حائل ہے اور دونوں فریقوں کے درمیان بعدو بیگا نگی کا موجب ہے،اور نتیجتاً ہر دونوں فریق،ا یزدی توفیقات وتائیدات سے محروم ہیں۔

بنابریں علما وعوام میں سے ہر فریق پہ لازم وضروری ہے کہ اپنی اپنی سکت وبساط کی مطابق سعی وجتن کریں،اوران اسباب وعوامل کا پتہ لگائیں جن کی وجہ سے یہ خلیج واقع ہوئی ؟ کہ مرض کی تشخیص کے بعد مرض کا علاج چنداں مشکل نہیں رہتا۔ذیل کی سطروں میں ہم نے اس خلیج کے اسباب پہ روشنی ڈالی ہے۔قارئین کرام سے التماس ہے کہ حسب تو فیق ان اسباب پہ غائرانہ یا طائرانہ نظر ڈالیں اور جو بھی قابل توجہ ہوں، ان پر حسب مقدور انفرادی یا اجتماعی طور پر خاطر خواہ اقدامات فرمائیں،اس امید پہ کہ من سعی لله فسعيه مشکوره،،اور ان الله لا يضيع اجر العاملين ،، لعل الله يحدث بعد ذلك امرا“ ”وہو على كل شئی قدير“۔

چوں کہ اسباب متعدد ہیں اور مختلف ومتنوع بھی کہ بعض اسباب علما سے متعلق ہیں اور بعض عوام سے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن میں دونوں فریق مشترک ہیں اس لیے ہر فریق کے اسباب علاحدہ علاحدہ رقم کریں گے۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔

اسباب متعلقہ بہ علمائے کرام

۱۔فقہیات کے باب میں بے بضاعتی یا بے اعتنائی۔

ہماری جماعت کے بہت سے علمائے اعلام ہیں جو درس و تدریس میں مسند رازی وغزالی کے محافظ ،خطبہ وخطابت میں سحبان زمانہ اور شعر وسخن میں میر و غالب کے جانشین گردانے جاتے ہیں ،مگر فقہیات کے باب میں اس قدر بے اعتنائی برتتے ہیں کہ انتہائی معروف ومشہور مسائل اور نہایت ہی شائع و ذائع فتاوی ،بھی محفوظ و مستحضر نہیں رکھتے ۔ایسے اعلاموں سے ان کے حدو قد سے متاثر ہو کر عوام جب کوئی استفتا یا استفسار کرتی ہے تو جواب نہ پا کر یا غیر معقول جواب پا کر بدظن و بیزار ہو جاتی ہے اور صرف متعلقہ اعلام سے ہی نہیں بلکہ جملہ علمائے اعلام سے بد ظن و بیزار ہو جاتی ہے۔

۲۔داعیانہ اوصاف کی کمی۔

دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے داعی کے لیے دیگر خوبی وکمالات کا جامع وحاوی ہونے کے علاوہ وسیع الظرف ۔وسیع النظر اور وسیع العلم ہونا بہت ضروری ہے تا کہ اس مشکل راہ ومحاذ پہ آنے والے ہر طرح کے نشیب وفراز خندہ پیشانی کے ساتھ گذر سکیں۔چنانچہ داعی جب وسیع الظرف ہونے کے بجائے تنگ ظرف ہوتا ہے تو معمولی معمولی بات پہ اپنا آپا کھو دیتا ہے، یوں ہی وسیع النظر اور وسیع العلم جیسے اوصاف کے فقدان کی صورت میں داعی حسب حال اور حسب ضرورت رہنمائی سے عاجز و درماندہ رہتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ صورت درمیان کی خلیج وخلجان کی وسعت وگہرائی کی موجب اور سبب قوی ہے۔

۳۔اخلاص کا فقدان۔

اعمال وافعال میں اخلاص کی آمیزش کی جو برکات ہیں وہ ہر کس و ناکس پہ ظاہر ہیں ،مگر معاصر اہل علم کی بڑی تعداد اس وصف میں ناقص

یا اس وصف سے خالی و عاری نظر آ رہی ہے۔ایسے غیر مخلص اہل علم کی ترجیحات، انتہائی پست اور سطحی ہوتی ہیں چنانچہ ان کے نزدیک مال ومنال کی کثرت اور فانی عزت وشہرت ہی بظاہر سب کچھ ہوتی ہے۔جس کی تحصیل کے لیے یہ ہر طرح کی ناکردنیاں کر بیٹھتے ہیں اور عوام کو خود سے ہی نہیں دیگر مخلصوں سے بھی دور ونفور کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔

۴۔زمانہ واہل زمانہ کے قضایا ومسائل کا عدم عرفان۔

اس میں شک نہیں کہ زمینوں وزمانوں اور مکینوں ومکانوں کے اختلاف تعدد سے قضیا ومسائل میں اختلاف وتعدد یقینی وحتمی ہوتا ہے یا یوں کہیں کہ ہر دور اور ہر شہر کے اپنے مخصوص مسائل وقضایا ہوتے ہیں جو دوسرے شہر کے مسائل وقضایا سے مختلف ہوتے ہیں جن کے علم وعرفان کے بغیر عالم کے لیے عالمانہ کردار اور داعی کے لیے داعیانہ رول ادا کرنا بے حد مشکل ہے۔شاید اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ:''من لم یعرف اہل زمانہ فھو جاہل''۔یعنی جنہیں اپنے زمانہ کا عرفان نہیں وہ نادان ہیں۔ اس کسوٹی پر جانچا و پرکھا جائے تو بہت سے ذی استعداد اور ذی اثر اہل علم بھی کھرے نہیں اترتے، چنانچہ ان کی معلومات زمانہ واہل زمانہ کی بابت نہایت خام اور غیر معتد بہ ملتی یا معلوم ہوتی ہے۔ایسے حضرات، گو کہ اپنی دانست کے اعتبار سے راہ رشد وہدایت میں موزوں ومناسب کردار ادا کرتے ہیں، مگر وہ کردار زمانہ واہل زمانہ کے حالات وکیفیات سے میل نہ کھانے کی وجہ سے غیر موزوں اور غیر مناسب شمار ہوتے ہیں، جن سے عوام میں مثبت اثرات کم وکم تر اور منفی اثرات زیادہ سے زیادہ تر ہوتے ہیں اور فریقین کے باہمی بعد وبیگانگی کا سامان ہوتے ہیں۔

۵۔ذرائع تبلیغ کا محدود تصور

سائنس وٹکنالوجی کی ترقی سے دعوت وتبلیغ کے ذرائع ووسائل میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے، جدید ذرائع ابلاغ اور جدید وسائل حمل ونقل کے توسط سے دیگر ادیان و مذاہب کے لوگ اپنے غیر معقولی اور غیر فطری زہریلی نظریات ومعتقدات کو تریاق بنا کر عالم کے ہر خطہ ہر گوشہ میں پہونچا رہے اور ایک حد تک لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔جبکہ آج بھی ہمارے اہل علم کا ایک بڑا طبقہ اسی خوش فہمی میں ہے کہ دعوت و تبلیغ کے ذرائع و وسائل ممبرو محراب، مساجد و مدارس اور جلسے و جلوس ہی میں محدود و منحصر ہیں۔

حالانکہ یہ بات سچ وحق ہے کہ ان مقامات ومواقع میں حاضرین کی تعداد غیر حاضرین کی تعداد کے مقابلہ انتہائی کم سے کم تر ہوتی ہے۔اس کا صاف وواضح مطلب ہے کہ ہمارے علما اپنے سماج کے ایک حصہ تک اپنے اسلامی فطری ومعقولی نظریہ وپیغام کو پہونچانے میں ناکام ثابت ہو رہے ہیں چنانچہ ہماری نئی نسل اپنی تاریخ سے زیادہ غیروں کی تاریخ سے آشنا ہے، اپنی تہذیب سے زیادہ غیروں کی تہذیب سے متاثر ہے، حلال وحرام کے ضروری سے ضروری احکام بھی ان پہ آشکارا نہیں ہیں، نکاح وطلاق، حدود وقصاص، حیلہ وحلالہ اور تعدد ازدواج جیسے قدرے تشریح طلب مسائل میں انہیں بڑی آسانی سے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ سب شاخشانہ ہے دعوت وتبلیغ کی بابت ہمارے محدود تصور کا۔

بعض اہل علم کی بے عملی یا بد عملی

سماج میں ایسے بہت سے بے عمل علما ہیں جن کی بے عملی شائع وذائع ہے اور بد عملی بھی، مگر پھر بھی، ان کے ماتھے پہ شکن نہیں آتی۔انہیں کرتوتوں کو دیکھ کر اور سن کر بہت سے لوگ علمائے حق کی بابت غلط فہمی کے شکار ہو گئے۔یہ بے عمل علما جہاں بھی ہیں اپنی نحوست پھیلاتے ہوئے ہیں چنانچہ یہ جن درسگاہوں میں ہوتے ہیں ان درسگاہوں کی آبرو خطرہ میں ہوتی ہے اور جن اسٹیجوں پہ ہوتے ہیں ان اسٹیجوں کے فیوض وبرکات کم یا ختم ہو جاتے ہیں۔بدقسمتی سے اگر یہ کسی مدرسہ یا ادارہ کے مہتمم یا منتظم ہو جاتے ہیں تو پھر ان مدرسوں یا اداروں کا وہ حال ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ۔

درج بالا اسباب کے علاوہ اساتذۂ مدارس کا اپنے فرائض کے ساتھ، ذمہ داران مدارس کا اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ، ارباب منبر ومحراب کا اپنے منبر ومحراب کے ساتھ اہل خانقاہ کا اپنی خانقاہوں کے ساتھ لائے جلوس واجلاس کا متعلقہ اجلاس وجلوس کے ساتھ بانیان تحریکات وتنظیمات کا متعلقہ تحریکات و تنظیمات کے ساتھ انصاف نہ کرنا اور محرومانہ بلکہ مجرمانہ حد تک غفلت برتنا بھی انہیں اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے عوام وعلما کے مابین خلیج حائل ہوئی ہے۔

اسباب متعلقہ بہ عوام

ا۔ دینیات کے باب میں بیجا طلب آزادی

اہل مغرب اور مغرب زدہ افراد کی طرف سے ''آزادی'' کی بیجا تشریح وتشہیر سے لوگ اس قدر متاثر ہیں کہ اپنے اسلامی اقدار کو بھی نظر انداز کر رہے ہیں، انہیں اسلامی اصول وضوابط پہ کار بند رہنا گراں گذر رہا ہے، حالاں کہ اسلامی اصول اتنے بلند اور معقولی وفطری، ہیں کہ محض ان کی بلندیوں اور خوبیوں ہی کی وجہ سے آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب اسلام ہی گردانا جاتا ہے لیکن ہماری عوام نہ تو ان اصول وضوابط سے کما حقہ واقف ہے اور نہ ہی اس کے فوائد و منافع سے آشنا، اور نہ ہی واقفیت کے لیے خاطر خواہ اقدامات کر رہی ہے، کہ اہل سے ربط وضبط بنائے و بڑھائے، اور حسب ضرورت یا حسب مقدور معلومات جمع کرے، تا کہ بیجا ''آزادی'' حاصل کرنے کا خمار اترے اور ساتھ ساتھ باہمی رشتے استوار ہوں۔

۲۔ دینی ودنیاوی طبقاتی تقسیم۔

پوپوں کے پاپوں اور دیگر خود ساختہ ادیان و مذاہب کے رہنماؤں کے کرتوتوں اور ناکردنیوں کے ردعمل میں دنیا میں جو سیکولر انقلاب آیا اس کی وجہ سے لوگ شعوری یا غیر شعوری طور پر دینی ودنیاوی طبقاتی تقسیم کے قائل یا حامی ہوگئے حالانکہ اسلام اس طرح کی طبقاتی تقسیم کا نہ تو قائل ہے۔ اور نہ ہی حامی، بلکہ اسلام، اسلامیان عالم کے جملہ شعبہائے حیات میں کامل رہنمائی کرتا ہے اور مزاج و پیغام دیتا ہے کہ اسلام میں سب کچھ دین ہے یا دین کے تابع ارشاد پاک ہے "وما خلقت الجن والا نس الا لیعبدون" چنانچہ تغذیہ وتزویج، کسب و اکتساب، یہاں تک کہ بول و براز جیسے اعمال وافعال بھی اگر شرعی حدود میں انجام دیے جائیں تو وہ دینیات ہی سے گردانے جاتے ہیں اور انجام دینے والا شرعاً محمود و ماجور قرار پاتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دیگر ادیان و مذاہب کی طرح ہمارے دین میں اس طرح کی طبقاتی تقسیم کا کوئی تصور نہیں ملتا۔

۳۔ مال ومنال اور عہدہ ومنصب کا زعم۔

مال ومنال ہو یا عہدہ ومنصب یہ سب عطیۂ ربانی ہیں، ان کے حاصل ہونے پر رب کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے اور خندہ پیشانی کے ساتھ ربانی اصول و ضوابط پر کار بند رہنا چاہیے تا کہ مزید عنایات وعطیات الٰہیہ حاصل ہوں، مگر کچھ ارباب مال وجاہ اپنے مال وجاہ کے زعم میں ارباب علم وفضل کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کرتے ہیں اور انہیں فقیروں اور فاقہ کشوں کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور اسی کے مطابق ان سے نازیبا سلوک کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے خوددار اور عزت نفس کے محافظ مخلص علما درس وتدریس وغیرہ سے کنارہ کشی کرنے پر مجبور ہوگئے۔

۴۔ تربیت اولاد میں اسلامی اقدار وروایات کو نظر انداز کرنا

والدین خود کو اور اولاد کو ماڈرن بنانے کے چکر میں اسلامی اقدار وروایات کو نظر انداز کرتے ہیں اور والدین ہی کو دیکھ کر ان کی اولاد بھی بے اعتنائی برتتے ہیں، نتیجتاً ایسے بچے نہ تو اسلامی غیرت وحمیت کے حامل ہوتے ہیں اور نہ ہی حامی، یوں وہ نہ بڑے بوڑھوں کے لیے اپنے دل میں جذبۂ احترام پاتے ہیں اور نہ ہی ان کے دل میں اہل علم وفن کے لیے کوئی عقیدت ومحبت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ایسے بچے اہل علم سے کیوں کر ربط وضبط پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

اسباب اور بھی ہیں جن میں بیشتر قابل ذکر اور قابل توجہ بھی ہیں، مگر صفحات واوقات دونوں کی قلت دامن گیر ہے، اس لیے اب انہیں چند کلمات پہ اس امید پہ اختتام کرتے ہیں، اگر ان اسباب پہ غور کیا گیا تو ان شاء اللہ العزیز معاشرہ میں تبدیلی آنی طے ہے۔

الحمدللہ ہماری جماعت میں نہ صلاحیت وصلابت کی کمی ہے اور نہ ہمت وجرأت کی کمی ہے، انفرادی واجتماعی طور پر بہت سے افراد کام بھی کر رہے ہیں، اور ان کے کاموں کی برکات واثرات بھی ظاہر ہو رہے ہیں، بس ان کی تعداد اور آواز بڑھانے اور بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ پاک اپنے حبیب پاک کے صدقے ہمیں ہمارے اہداف کی بابت صلاح وفلاح سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

قرطاس وقلم کی فرماں روائی

مولانا کمال احمد علیمی نظامی

اللہ جل مجدہ الکریم نے مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے ہمیں دو عظیم نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔جس میں سے ایک کو زبان اور دوسری کو قلم کہا جاتا ہے۔زبان سے تقریر جب کہ قلم سے تحریر معرض وجود میں آتی ہے۔ان دونوں چیزوں کی اہمیت مسلم ہے۔مگر ان میں قلم زبان کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی اہمیت رکھتا ہے۔ہر ترقی یافتہ قوم تقریر سے زیادہ تحریر پر بھروسہ کرتی ہے۔دنیا میں جتنے بھی انقلابات وتغیرات انسان کے ہاتھوں برپا ہوئے،سب کے پیچھے کہیں نہ کہیں قلم کی کارفرمائی ضرور نظر آتی ہے۔آج قلم وقرطاس ہی کے ذریعہ کسی باطل مذہب کو برحق اور برحق مذہب کو باطل قرار دینے میں دیر نہیں لگتی ہے۔معمولی سی تحریک جب قلم کا سہارا پا جاتی ہے تو وہ عالم گیر تحریک بن جاتی ہے۔آج کے دور میں تحریر وقلم کی فرماں روائی سے شاید ہی کسی باشعور انسان کو انکار ہو''قلم گوید کہ من سپاہ جہانم'' ہر کسی کو تسلیم ہے۔

قرآن مجید میں ''ن؛ والقلم ومایسطرون'' سے اللہ رب العزت نے تحریر وقلم کی عظمت واہمیت پر ربانی مہر لگادی ہے،قسم کسی اہم چیز کی کھائی جاتی ہے، پھر خدا کی ذات کی بارگاہ عظمت میں جو شئی قسم کھانے کے لائق ٹھہرے اس کی شان عظمت کے کیا کہنے،حدیث مصطفیٰ میں ''قیدوالعلم بالکتابۃ'' کہہ کر تحریر وکتابت کی اہمیت وافادیت پر نبوی سند فراہم کردی گئی ہے۔

زمانۂ قدیم ہی سے تحریر وکتابت کی اہمیت وافادیت مسلم رہی ، تحریر سے پہلے تصویر کا وجود تھا،یہی تصویر گھٹتے گھٹتے تحریر بن گئی،گویا تحریر کی اصل تصویر ہے۔پہلے زمانے میں جانوروں کی خشک کھالیں،پتھروں کی سطحیں اور جانوروں کی چکنی ہڈیاں کاغذ کی جگہ پر استعمال کی جاتی تھیں،عہد رسالت میں بھی انہیں ذرائع کتابت کا سہارا لیا جاتا تھا،مگر عصر حاضر میں چمکتے دمکتے صاف وشفاف اور دیدہ ذیب کاغذ نے تحریر وکتابت کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا ہے۔پرانے زمانے میں بھی تقریر سے زیادہ تحریر کو اہمیت حاصل تھی اس لیے جب کوئی معاہدہ ہوتا تو اسے لکھا جاتا تھا،صلح حدیبیہ کا معاہدہ اس پر شاہد ہے۔یونہی اہل عرب کی قوت حافظہ کا کوئی جواب نہیں لیکن وہ لوگ بھی تحریر کا سہارا لیتے تھے، حجۃ الوداع کے موقع پر صحابی رسول حضرت ابوشاہ کے لیے سرکار نے صحابہ کو حکم دیا کہ ''اکتبوالابی شاہ'' یعنی ابوشاہ کے لیے میری حدیثیں لکھ دو،یہ واقعہ بھی تحریر کی عظمت پر روشن دلیل ہے۔

خود قرآن کریم سرور دوعالم ﷺ پر نازل ہوا،سرکار اگر چاہتے تو اسے زبانی یاد فرمالیتے ،آپ کی معجزانہ ذہانت اور حیرت انگیز قوت حافظہ سے کچھ بعید نہیں تھا،مگر سرور دوعالم ﷺ حال کے ساتھ مستقبل پر بھی نگاہ رکھتے تھے،یہی وجہ ہے کہ باضابطہ کاتبین وحی کی ایک ٹیم تشکیل دی،جو زبان وقلم کے ماہر تھے ان کے ذریعہ کتابت قرآن کا کام مکمل ہوا،لاریب یہ ایک عظیم کام تھا،اس میں اگر صرف تقریر کا سہارا لیا جاتا تو بعد میں بڑے مشکل حالات پیش آتے،یونہی احادیث مصطفیٰ کی حفاظت کے بہت سارے ذرائع میں کتابت وتحریر بھی ہے بہت سارے صحابہ کے صحیفے اس حوالے سے مشہور ہیں۔

آج اسلامی تراث جو ہمارے اسلاف کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے اس میں سب سے زیادہ دخل اور کردار تحریر ہی کا رہا ہے۔ہمارے اسلاف نے زبانی تقریر کی بجائے قلمی تحریر پر زیادہ اعتماد فرمایا،جس کا خوش گوار نتیجہ جگ ظاہر ہے۔ ملک العلماءعلامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تدریس وتقریر کا اثر محدود،خام اور جلد ختم ہونے والا ہوتا ہے،اور تصنیف وتالیف کا اثر غیر محدود،پختہ اور رہتی دنیا تک باقی رہنے والا ہوتا ہے،دنیا میں علما یکرام لکھوں کیا؟ کروڑوں ہوئے،جنھوں نے اپنے اپنے زمانوں میں عالم کو اپنے علوم وفنون سے مستفیض فرمایا،جہان میں اپنے علم کی روشنی پھیلا کر تاریکی و جہالت دور کی،مگر آج ہم ان کے نام سے واقف بھی نہیں! کہ وہ کون کون تھے! کہاں کہاں تھے! کن کن علوم کے جامع تھے! بہتوں کے ناموں اور ان کے معارف کا کچھ پتہ بھی چلتا ہے تو دوسرے علمائے معاصرین یا بعد کے لوگوں کی تحریر ہی کی بدلت ،بخلاف امام غزالی،امام رازی،اصحاب صحاح ستہ،اور ائمۂ اربعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے،کہ ان کی تالیفات وتصنیفات کی بدولت آج لوگ براہ راست ان کے علوم وفنون سے مستفیض ہورہے ہیں،محررالمذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کی برکت سے امام الائمہ امام اعظم رحمہ اللہ کے علوم و معارف اور اجتہادیات زندہ ہیں''(حیات اعلیٰ حضرت دوم ، ص:۷۰۶،مطبوعہ:دہلی)

خود معلم کائنات ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سعید بن عاص انصاری رضی اللہ عنہ کو کتابت سکھانے پر مامور فرمایا تھا، یونہی غزوۂ بدر کے وہ قیدی جو کتابت سے آشنا تھے،ان کا فدیہ، یہ مقرر فرمایا کہ وہ تحریر سے نا آشنا لوگوں کو لکھنا سکھائیں۔

آج کے اس جدید دور میں جب کہ کتابوں سے زیادہ موبائل کو پڑھا جاتا ہے تحریر و کتابت کی اہمیت کم نہیں ہوئی ہے، بلکہ مزید بڑھتی ہی جارہی ہے، الیکٹرانک میڈیا ہو یا پرنٹ میڈیا سب کا دارومدار تحریر و کتابت ہی پر ہے۔ اس حوالے سے علامہ فروغ احمد اعظمی، صدرالمدرسین دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی بستی، اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''سچ تو یہ ہے کہ الیکٹرانک میڈیا بھی تحریر و قلم سے بے نیاز نہیں ہے، کمپیوٹر کے خزانۂ معلومات میں محفوظ اور اس کے قرطاس (screen) پر ابھرنے والی تصاویر و مناظر کے ساتھ تحریریں بھی تو ابھرتی ہیں، اور ظاہر ہے یہ اسی وقت ابھریں گی جب انہیں ہماری انگلیاں کمپیوٹر کے الیکٹرانک قلم (keyboord) کو حرکت دے کر خزانۂ معلومات میں جمع کر دیں گی'' (ماہ نامہ اہل سنت، شمارہ مارچ:۲۰۰۶)

عصر حاضر میں تحریر و کتابت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ سرکاری دفاتر ہوں یا کورٹ کچہریاں، ہر جگہ تقریر کے بجائے تحریر پر اعتماد کیا جاتا ہے، مشہور مقولہ ہے ''لکھتم آ گے بکتم نہ چلتے''، یعنی تحریر کے سامنے تقریر نہیں چلتی ہے، اسی لیے قرآن کریم نے بھی ارشاد فرمایا: جس کا مفہوم کچھ یوں ہے ''جب تم آپس میں لین دین کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، تاکہ بعد میں کوئی معاملہ نہ پھنسے''

ہمارے بزرگوں نے اسی لیے اپنی قوم کو تحریر و کتابت کی اہمیت وافادیت کی طرف توجہ دلائی ہے، اور اس کو رائج کرنے پر زور دیا ہے، چنانچہ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں

''ایک عرصہ سے چیخ رہا ہوں کہ سوچنے اور برتنے کا انداز بدلنا ہوگا، فولاد کی تلوار کا زمانہ ختم ہوگیا، اب قلم کی تلوار سے معرکے سر کیے جارہے ہیں پہلے کسی محدود رقبہ میں کفر و ضلالت کی اشاعت کے لیے سالہا سال کی مدت درکار ہوتی تھی اور اب پریس کی بدولت صرف چند گھنٹوں میں شقاوتوں کا ایک عالم گیر سیلاب اُمڈ سکتا ہے، ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھیے آج ہندوستان کا ہر فرقہ قلم کی توانائی اور پریس کے وسائل سے کتنا مسلح ہو چکا ہے، اتنا مسلح کہ اس یلغار سے ہمارے دین کی سلامتی خطرے سے دوچار ہوتی جارہی ہے۔

فکری مزاج کی تعمیر میں قلم کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اور اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ فکری استحکام کے بغیر کوئی بھی جماعت طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

پریس ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ فتنہ صبح کو جنم لیتا ہے، دوپہر کو جوان ہوتا ہے، اور شام ہوتے ہوتے آبادیوں کے لیے ایک دردناک عذاب بن جاتا ہے، ان حالات میں جب کہ باطل پرستوں کی یلغار تیر سے تیز تر ہوتی جارہی ہے ہم خفتگانِ شب کی غفلت کی اور گہری ہوتی جارہی ہے، قلم کے ذریعہ دین کی خدمت کے سول پر سرد مہریوں کا تماشہ قابل دید ہوتا ہے (پیغام عمل، ص:۱۰،۱۱)

سعادت لوح و قلم کی یہ دلکش تحریر بھی پڑھتے چلیں، قرآن کہتا ہے کہ ''قلمنہ ہوتو جو کچھ جاننا چاہیں یا جتنا جاننا چاہیں، جان نہیں جان سکتے خدا نے ہاتھ دیے۔۔۔انسان نے ہتھیار اٹھایے۔۔۔قرآن نے للکارا۔۔۔اے! ہتھیار اٹھانے والے۔۔۔ذرا قلم اٹھا کر دیکھ۔۔۔دیکھ یہ کیسے کیسے گل کھلاتا ہے۔۔۔تیرے ہتھیار کی لالی چھوٹ سکتی ہے۔۔۔لیکن اس کی لالی نہیں چھوٹ سکتی ہے۔۔۔وہ انسان جس کو ہتھیار اٹھاتے شرم نہ آتی تھی۔۔۔قلم اٹھتے شرم آتی تھی۔۔۔اس کو قلم پکڑنا سکھایا۔۔۔اور۔۔۔یہ بانگ دہل اعلان کردیا گیا۔۔۔علم بالقلم۔۔۔علم الانسان مالم یعلم۔۔۔ہم نے قلم کے وسیلے سے انسان کو وہ کچھ بتا دیا جو وہ نہ جانتا تھا۔۔۔یہ اعلان کیا تھا ایک انقلاب تھا۔۔۔جس نے صور پھونک دیا۔۔۔اور۔۔۔مردہ پیکروں میں جان آگئی۔۔۔قلم نے بہت سے چولے بدلے ہیں۔۔۔اور۔۔۔نئے نئے روپ دھارے ہیں۔۔۔کروڑوں بے علموں کو دانائے راز بنادیا ہے (پیغام عمل، ص:۱۷)

عصر حاضر میں اگر دین کی تبلیغ واشاعت اور اس کا دفاع کرنا ہے تو اس کار خیر کے لیے تحریر ناگزیر ہے، دنیا بھر سے شائع ہونے والے اخبارات کے کالمز اور ادارتی صفحات میں اسلام کے خلاف تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں ان کا مؤثر جواب تحریر ہی سے ممکن ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ امت ایک بار پھر سے سنت اسلاف کو زندہ کرتے ہوئے تحریر و کتابت کی طرف خاطر خواہ توجہ دے۔

آج جماعت اہل سنت میں چند ایک قلم کاروں کو چھوڑ کر کوئی قابل ذکر مصنف و محقق نہیں ملتے ہیں، ہم یہ شکوہ کرتے ہیں کہ اخبارات و رسائل میں ہمارے ساتھ تعصّبانہ رویہ اپنایا جاتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اخبارات میں کچھ بھیجتے ہی نہیں! تو ہماری باتیں ان میں آئیں گی کیسے! اس لیے نئی نسل کو بالخصوص تحریر و قلم کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے ورنہ موجودہ حالات بتا رہے ہیں کہ آنے والے دور میں صرف مقرر ہی نظر آئیں گے اور مصنف و محقق، ڈھونڈ ھنے سے نہیں ملیں گے۔

اردو زبان وصحافت کا گرتا معیار! ذمہ دار کون؟

مولانا عبدالمعید ازہری

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ کسی بھی زبان کا فروغ دراصل تہذیب وتمدن تاریخ و روایات کا فروغ ہے۔کسی کے دل و دماغ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے زبان ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔کسی کے دل تک رسائی کے لیے مہذب انداز ،پاکیزہ گفتگو،شیریں اور معنی خیز الفاظ،لہجے میں نرمی اور شائستگی کے ساتھ حسن اخلاق اور دل کی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ان اوصاف وآداب کے مجموعہ کو اردو زبان کہتے ہیں۔

اردو کی شیریں بیانی اور دل فریبی کے سبھی قائل ہیں۔اس زبان کے حسن کے لیے یہ کافی ہے کہ اس زبان نے انسانیت اور تہذیب مخالف الفاظ کو اپنے مجموعے میں جگہ نہیں دی یعنی اس میں گالی گلوج کی گنجائش نہیں ہے۔یہ اس زبان کی انفرادی حیثیت بھی ہے۔ یہ واحد زبان ہے جس نے گالی دینا نہیں سکھایا۔دوسری بڑی بات اس زبان کی یہ ہے کہ اس کی تاثیر کا حلقہ مذہب وملک کی قید سے آزاد رہا ہے۔ایک صوفی درویش کے گھر کی پروردہ اور تربیت یافتہ زبان انسان اور انسانیت سے محبت کرنے والے ہر شخص کی آواز بن گئی۔مذہب و برادری کی پرواہ کیے بغیر ہر ایک نے اس زبان کو گلے لگایا۔

آج اس زبان کی زبوں حالی نے اس زبان کی تاریخ کو شرمسار کیا ہے۔کبھی اسے مذہبی تعصب کا نشانہ بنایا گیا تو کبھی علاقائی کم ظرفی کا شکار کیا گیا۔افسوس اس بات کا نہیں کہ لوگوں نے اس زبان کو نظر انداز کر دیا۔زبانیں آتی ہیں جاتی ہیں۔یوں ہی آتی جاتی رہیں گی۔لوگوں نے زبان کی روح کو مجروح کر دیا۔زبان کے نام پر تہذیب فنا ہوگئی۔تمدن لٹ گیا۔تاریخ و روایات کی روشنی میں تعلیم و تربیت کا سرمایا وراثت سے جاتا رہا۔اردو زبان کے لیے زبانی جنگ لڑنے والے اور گھڑیالی آنسو بہانے والوں نے زمین وآسمان ایک کردئے۔سیکڑوں،ہزاروں مظاہرے اور احتجاج ہوئے۔سودے ہوئے۔زبان کو نفع ونقصان کے ترازو میں سیاست کی نذر کیا گیا۔وہی لوگ اس زبان کی آبرو ریزی کرتے رہے،جن کے ہاتھوں میں ریا کاری کے احتجاجی تختے اور زبان پر مکر وفریب سے پر الفاظ تھے۔اردو زبان کے فروغ کے نام پر ہر ایک فرد اس کی سودے بازی کرتا رہا۔اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ خود اردو زبان کے لیے جہاد کا نام دینے والے دہشت گردوں نے زبانی جمع خرچ کے ذریعے صرف زبان کی بات کہی اس کی تہذیب وتاریخ اور ثقافت وروایت کی بات کوئی بھی نہیں کر رہا ہے۔اس کی ایک شرم ناک وجہ یہ بھی خود ان خود نما مجاہدوں کو اس کے بارے میں علم نہیں۔وہ خود اس زبان کی شیرینی اور شائستگی سے ناواقف ہیں۔جتنے لوگوں کو اس زبان کی زبوں حالی کا درد ہے،اگر وہ خود ہی اپنے محدود حلقوں میں اس زبان کی اہمیت وافادیت پر یقین کرتے ہوئے خود ہی اس کی زندگی کو پروان چڑھاتے تو آج اس زبان کے ہاتھ میں فریادی کشکول نہیں ہوتا۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی ذہنی وفکری معذوری میں اس بات کا بھی بڑا رول ہے کہ مسلمان بھی اس زبان سے دور ہو گیا۔اگر چہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انحراف ممکن نہیں کہ اس زبان کی شیرینی نے اسلام سے قربت کے بعد اپنی مقبولیت،افادیت اور تاثیر میں اضافہ کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی تہذیب وتعلیم کو بڑی خوبی سے فروغ دینے لگے۔لیکن اس تہذیب کی اسلام سے دوری نے اس قوم کو ذہنی وفکری طور پر لاشعوری کی منزل میں پہنچا دیا۔کیونکہ اس ترک تہذیب کے بعد اس کا کوئی متبادل تلاش نہ کر سکی۔گزشتہ برس کے 2014 اور

2016 کے انتخابات نے اس بات کا واضح ثبوت دے دیا ہے۔ یہ نتیجہ صرف اردو کی وجہ سے ہوا، یہ تو کہنا مشکل ہے لیکن اس میں اردو کو نظر انداز کرنا بھی شامل ہے یہ بات یقینی ہے۔ کیونکہ اردو کو ایک مربی کی حیثیت حاصل ہے۔ ذہن وفکری کی بالیدگی، شعور کی وارفتگی، دوراندیشی اور حکمت عملی کی تعبیروں سے وابستہ ہیں۔ زبان اور ادب انسان کی فکر کے آئینہ دار ہیں۔ ''نہ تھا دل میں تو آیا کیوں زباں پر'' کا مصرعہ بڑے ہی پرتپاک انداز میں اس ضابطے کی وضاحت کرتا ہے۔

اب ایک بڑا سوال یہ ہے کہ مسلمان کیا کرے؟ حالانکہ یہ ایک مستقل موضوع ہے جو وقت طلب کے ساتھ ساتھ فکر طلب بھی ہے۔ پچھلے اسمبلی اور پارلیامانی انتخابات کے نتیجے دیکھنے کے دو نظریے ہیں۔ ایک یہ کہ جمہوری نظام کو چیلنج دینے والی طاقت 31 فیصد ہندوستانیوں کے ساتھ ملک پر قابض ہیں اور اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس 69 فیصد رائے دہندگان اگرچہ اس قابض فکر کے مخالف تھے لیکن وہ اس قدر بکھرے اور الجھے ہوئے تھے کہ ریت کی طرح بکھر گئے۔ اس پر تفصیلی گفتگو اور تحریر درکار ہے جو پھر کبھی ہوگی۔ فی الحال اردو کے فروغ میں کوشش کرنے والوں کے دو گروہ ہیں، ایک وہ جو احتجاج کے ذریعے کوشش کر رہے ہیں، دوسرے وہ اپنے آپ کو مٹا کر اس پر کام کر رہے ہیں۔ یہ وقت کی مار ہی ہے کہ آج اردو جن مسیحاؤں کی وجہ سے زندہ ہے ان کا نام و نشان تک انہیں ہے۔ بلکہ نہیں بے وقوف بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت دو جگہوں اور وجہوں سے اردو نام زندہ ہے۔ ایک مدرسہ دوسرا اخبار۔ اردو اخباروں نے اپنا وقار اور معیار کھو دیا۔ مدرسوں میں اردو تو ہے لیکن زبان نہیں ہے۔ اردو اخباروں میں بس اردو رسم الخط باقی ہے۔ اس زبان کا معیار اس کا اپنا بیانیہ، اس کے اصول اور اس کی اپنی تاثیر سب کچھ تقریبا ختم ہے۔ اردو اخباروں میں صحافتی اخلاقیات تو شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔ ایک اندازے کے مطابق صرف دہلی ہی میں 150 سے زائد اخبار RNI میں مندرج ہیں۔ جن میں سے بمشکل تمام 20 اخبار نکلتے ہیں۔ ان میں سے 15 سے زیادہ اخبار اپنی غیر جانب داری اور سچ گوئی کھو چکے ہیں۔ کچھ اخبار مذہبی اور مسلکی تعصب کا شکار ہوگئے۔ یہ ان کی مجبوری ہے یا تجارت، کہنا مشکل ہے۔ ایک اخبار ایسا ہے جو کبھی کبھی یہ احساس دلاتا ہے کہ اردو زندہ ہے۔ صحافت باقی ہے۔ اس تک پہنچنے کی کوشش کی۔ اس کا مدیر کوئی نامعلوم شخص نہیں۔ 35 برسوں کا صحافتی اور اردو ادب کا تجربہ رکھتا ہے۔ اخبار کے معیار اور صحافتی اخلاقیات کی تحفظ کے تئیں اس نے بہت کچھ گنوا دیا ہے۔ اردو دنیا میں اس کا نام دونوں ہی طریقے سے لیا جاتا ہے۔ لیکن شدت سے لوگ ان کا نام لیتے ہیں۔ جنہیں اردو زبان اور صحافت کی پرکھ ہے وہ اس کا نام احترام سے لیتے ہیں، جنہیں بس تجارت کر کے پیٹ پالنا ہے، وہ تھوڑا تکلیف سے لیتے ہیں۔ ان سے ہوئی گفتگو کے دوران یہ واضح ہوا کہ ان کا یہ اخبار واحد ایسا اخبار ہے جس میں روزانہ 180 خبریں چھپتی ہیں۔ پہلے یہ 6 صفحات پر مشتمل تھا۔ پر صفحہ پر خبریں۔ اب یہ 8 صفحات کا رنگین اخبار ہے کہ جس کے خبروں کی تعداد 200 سے زیادہ ہے۔ اس کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس کا پہلا صفحہ خود 6 سے 8 صوبوں کی اہم خبروں پر مشتمل ہونے کے ساتھ اس کی سرخیوں کا جواب نہیں۔ چار لائن کی لیڈ خبر اسی طرح اس کے بعد کی سرخی بھی چار لائنوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ 8 صفحات پر مشتمل ہر صفحہ کا نام ''ق'' سے شروع ہوتا ہے کیوں کہ اخبار کا نام ''قاصد'' ہے۔ اس کے مدیر جناب اشہر ہاشمی ہیں۔ اس اخبار کی حالت بھی بالکل اردو کی طرح ہے۔ کیونکہ جب اردو بکی نہیں تو اسے توڑ دیا گیا۔ یہ اخبار بکا نہیں تو مفلوک اور مظلوم بنانے کی اپنی ہی اردو برادری نے کوشش کی۔ یہ حال ہے اردو اور اردو بازوں کا۔

اردو صرف زبان نہیں بلکہ حق کی آواز رہی ہے۔ انگریزوں کو اس کی تاثیر کا کافی علم تھا۔ دستی صحافت کی ایک ایک تحریر دل اور کلیجے پر ایسے وار کرتی تھی کہ راتوں کی نیدیں حرام ہو جاتی تھیں۔ آزاد، موہانی اور باقر جیسے اردو کے مسیحاؤں نے اس کی تاثیر کو پہچانا اور اس کا استعمال کیا۔ انہیں اس کی قیمت چکانی پڑی۔ لیکن یہ آواز کبھی دبی نہیں، کبھی بکی نہیں۔ اردو کو صرف اردو ہی زندہ کر سکتی ہے۔ یعنی تہذیب، رواداری، محبت اور یکجہتی کی فضائیں جہاں قائم ہوں گی، اردو وہاں پائی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی سنتوں کے اخلاق و کردار کا فطری اور طبعی بیانیہ اسی زبان میں رہا۔ اردو ہندوستان اور تصوف ملک کی اس وراثت کے امین ہیں جس کے لیے ملک پر ساری دنیا رشک کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

خیابان شعر وادب لکھ رہا ہوں

مولانا التجا حسین نور صدیقی

اللہ رب العزت نے دنیا میں اولاد آدم کے نہاں خانوں میں عقل سلیم اور ذوق لطیف کا جو بیش بہا خزانہ ودیعت فرمایا ہے انسان اسی سے اپنی زندگی کے تمام تر معمولات کے تناظر میں حسن وقبح، خوب صورت و بدصورت اور اچھے و برے کے مابین حد فاصل قائم کرنے کے لیے واضح یا غیر واضح انداز میں کچھ مصنوعی قوانین وضوابط متعین کر رکھے ہیں اور یہی صفت محمودہ انسان کے ذوق وشوق ،فکر وشعور اور اس کی قوت ممیّزہ کی رہنما ہے۔جس کے سہارے فکر صحیح رکھنے والے انسان کے لیے مدح وذم کے ملے جلے افکار میں خط امتیاز کھینچنا نہایت آسان معلوم ہوتا ہے۔نتیجتاً وہ اپنے ذہنی سرور ونشاط اور واردات قلبی کے دم خم پر اپنے دروں خانہ کے مچلتے ہوے جذبات کو الفاظ کا جامۂ نو پہناتا ہے۔مثلاً اگر وہ شعری ذوق وشوق کا دل دادہ ہے تو اچھے اشعار کو خوب صورت الفاظ کے قالب میں ڈھال کر دادو تحسین کا گل و برگ وصول کرتا ہے۔جس کے جملہ وسائل و ذرائع دنیا کے مختلف ممالک کی قدیم زبانوں میں اپنی اپنی جگہ مسلم ہیں۔اور ان قدیم زبانوں میں رائج قدیم وجدید طریقے کسی نہ کسی نظریہ کی رہین منت ضرور ہیں۔جنھیں شعر وادب کا اساس تصور کیا جاتا ہے۔

اردو ادب کی شیرازہ بندی انھیں زبانوں کی رائج شعریات سے ہوئی ہے۔اس معنیٰ کر یونان کے مشہور حکما خصوصاً افلاطون اور ارسطو کی ہمہ گیر شخصیتیں سرفہرست ہیں۔اس کے بعد ہندوستان کی قدیم زبان سنسکرت میں رائج پرانے شعر وادب کے تصورات ہیں جنھیں ہندی زبان و ادب کی بنیاد کہا جاتا ہے۔اور آخری مرحلے میں عربی فارسی کے تصورات شعر کی روایت ہیں۔ان سب رائج اصولوں کا مقصد شعر وادب کے خارجی محاسن اور فنی تذکرے ہیں۔ان میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی مخصوص لسانی حیثیت حاصل ہے۔مختصر یہ کہ ذکر کردہ تینوں صورتیں اپنے واجبی لوازمات کے تناظر میں ؏ رنگا رنگ کی جامع ہیں۔

کلام موزوں بعض اچھے ہوتے ہیں اور بعض برے!اس میں کوئی دو رائے نہیں۔اور یہ معاملہ ماضی ،حال اور مستقبل تینوں کے ساتھ ایسے رہا، ہے اور رہے گا، جیسے سورج کے لیے دھوپ، آگ کے لیے دھواں اور عطر کے لیے خوش بو۔ہاں! رہا معاملہ مدح وذم کا تو اسلامیات کی روشنی میں اچھے کلام کی تعریف متحقق ہے اور برے کلام کی مذمت بھی مسلم ہے۔جیسا کہ قرآن وحدیث سے ظاہر وباہر ہے۔فافہم فانہ دقیق۔

ابتداے آفرینش سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر صبح قیامت تک شعر وادب کے باب میں نہ جانے کتنے اضافے ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔لیکن ایک قادر الکلام سخن ور کے نزدیک فنی نقائص سے بھرپور اور لسانی خصائص سے دور رہنے والی شاعری،متشاعری ہے اور اس کا موزوں گر متشاعر ہے۔افسوس ہے کہ فی زمانناذاتی مفاد اور جلب منفعت کے پیش نظر، ظاہراً فنی عناصر کے علم بردار ،حقیقتاً فکر وفن سے کورے افراد اسی قبیل کی شاعری اور اسی قبیلہ کے شعرا کی پذیرائی کرتے ہیں۔ظاہر ہے اس طرح کرنے سے اہل شعور کی دل شکنی اور بے شعوروں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔یہ رویہ بہرحال مذموم ہے۔اور شعر وادب کے ساتھ کھلا ہوا مذاق بھی!

﴿ اظہار حقیقت ﴾

ناسپاسی ہوگی اگر سال نامہ ''شعاع فیضان رضا'' کی اشاعت کے اس سنہرے موقع پر ۸۳/۸۲ء کے محرکین طلبہ (جامعہ کے ابناے قدیم) بالخصوص نازش فکر وفن حضرت مولانا التجا حسین نور صدیقی مچکی، برگدوا، سدھارتھ نگر یوپی کا ذکر جمیل نہ کیا جائے۔چوں کہ موصوف اور ان کے دیگر رفقاے کار، بہرحال اس مرد مجاہد (علامہ کیفی بستوی نوراللہ مرقدہٗ) کے شانہ بہ شانہ رہے۔اور ''شعاع فیضان رضا'' کو ایک نئی نویلی دولہن کی شکل میں دیکھنا ان کی معراج زندگانی تھی، مگر افسوس! صد افسوس!!! فی الحقیقت آج بھی اسی مرد مجاہد کی ''روحانی تائید'' اور مولانا موصوف کی ''حرکت قلبی'' ضرور بہ ضرور اس کی اشاعت میں مضمر ہے۔

ازہر القادری

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رام پوری

مفتی محمود علی مشاہدی ﷾ ح

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رام پوری ثم جون پوری رحمۃ اللہ، مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۷۸ھ) کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

خاندانی حالات: آپ کے دادا عبداللہ سواتی متبحر عالم دین تھے، جناب سید محمد فیض اللہ کے عہد (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) میں سوات سے ترک وطن کر کے رام پور تشریف لائے، آپ کو سید آل احمد عرف اچھے میاں مار ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۳۵ھ) سے بیعت کا شرف حاصل تھا، آپ نے رام پور میں شادی کی، حضرت مولانا رفیع اللہ خاں آپ کے فرزند ہیں، رام پور محلّہ الف خاں کی مسجد کے شمال میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ (تذکرہ کاملان رام پور)

حضرت مولانا رفیع اللہ خاں رام پور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور رام پور کے دوسرے علما سے مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کی، آپ کی دستار بندی کے موقع پر رام پور کی جامع مسجد میں پہلا جلسہ منعقد ہوا، رام پور کے اکابر علما کی موجودگی میں آپ کے سر پر دستار باندھی گئی۔ فراغت کے بعد بیس روپے ماہانہ پر مدرسہ عالیہ رام پور میں منصب تدریس پر فائز ہوئے اور نہایت ذمے داری کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے رہے، اخیر عمر میں بینائی ختم ہو جانے کی وجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ بند کر دیا، آپ کی دینی خدمات کے پیش نظر ریاست کی جانب سے دس روپے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا جس سے آپ اپنی ضروریات پوری کرتے تھے، ۱۲۸۲ھ میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، الف خاں کی مسجد کے شمال میں اپنے والد کے برابر مدفون ہیں۔ آپ نے دو فرزند یادگار چھوڑے۔ (۱) مولانا ہدایت اللہ خاں (۲) حافظ عنایت اللہ خاں (مصدر سابق)

ابتدائی حالات اور تعلیم و تربیت: استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں محلّہ الف خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسبی تعلق روہیلہ خاندان سے ہے، ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا رفیع اللہ خاں متوفی ۱۲۸۳ھ) سے پڑھیں، صرف ونحو کی تحصیل مولانا حافظ غلام علی سے کی اور میر زاہد تک معقولات کی تعلیم مولانا جلال الدین (متوفی ۱۳۱۲ھ) سے حاصل کی، درس حدیث مولانا سید عالم نگینوی محدث مرادآبادی (متوفی ۱۲۹۵ھ) سے لیا، اور جب خاتم الحکما علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ، رام پور تشریف لائے تو ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور تھوڑے ہی زمانے میں اپنے ذہن رسا کی بدولت تمام مروجہ علوم وفنون سے فارغ ہو گئے۔ (تذکرہ علماے اہل سنت)

تدریسی خدمات: حضرت استاذ الاساتذہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان علما میں سے تھے جن سے علم وفضل کو شرف حاصل ہوتا ہے، معقولات وحکمت میں یگانۂ روزگار تھے، ہندوستان کے گوشے میں ان کے برابر کا کوئی عالم نظر نہ آتا تھا، اپنے استاذ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عاشق وشیدائی تھے، فراغت کے بعد مختلف مقامات میں ان کے ساتھ رہے، نیرنگیِ تقدیر سے جب علامہ فضل حق خیر آبادی اسیر ہو کر کالا پانی بھیج دیے گئے، تو آپ مغموم ومحزون ۱۸۵۷ء میں رام پور تشریف لائے اور مدرسہ رام پور میں درس دینا شروع کیا، پھر ۱۸۷۰ء میں مولوی حیدر حسین کے طلب کرنے پر جون پور تشریف لائے اور مدرسہ حنفیہ امام بخش میں مفتی محمد یوسف فرنگی محلی کی جگہ صدر مدرس مقرر ہوئے اور تا حیات اسی مدرسے میں علم وفضل کے خزانے لٹاتے رہے۔ (تاریخ سلاطین جون پور)

آپ کے وقت میں مدرسہ حنفیہ جون پور تشنگان علوم وفنون کی آماج گاہ بنا ہوا تھا، بڑے بڑے ذی استعداد طلبہ و متبحر اساتذہ دور دور سے آ کر

آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہو رہے تھے اور آپ کے علمی فیضان سے مستفیض ہو رہے تھے۔ (تذکرہ علماے اہل سنت)

طریقۂ تدریس: حضرت استاذ الاساتذہ اپنے مخصوص طرز تدریس کے موجد و خاتم تھے، منطق و فلسفہ اور اصول فقہ و کلام کے مشکل ترین مسائل و مباحث کی تقریر نہایت آسان اور دل نشیں انداز میں فرماتے، شفا، افق المبین، شرح تجرید مع حواشی جدیدہ وقدیمہ، زوایدِ ثلثہ مع حواشی بحر العلوم کی تعلیم میں آپ تمام ہندوستان میں فرد مانے جاتے تھے (تذکرہ کاملان رام پور)

آپ کے معاصرا کا برعلماے کرام کا آپ کی ذات پر کامل اعتماد تھا، اور وہ درس و تدریس میں آپ کے کمال اور مہارت تامہ کے دل سے معترف تھے، درج ذیل عبارت سے اس کی تائید ہوتی ہے:

حضرت مولانا یار محمد بندیا پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وطن لاہور کے علما سے پڑھنے کے بعد دہلی پہنچے، پھر وہاں سے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مرکز اہل سنت بریلی شریف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی (۱۳۴۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علالت طبع اور تصنیف وتالیف کی بے پناہ مصروفیات کی بنا پر استاذ الکل مولانا ہدایت اللہ خاں جون پوری تلمیذ رشید خاتم الحکماء علامہ فضل حق خیر آبادی کی طرف رہنمائی کی، مولانا یار محمد بندیا لوی نے جون پور پہنچ کر معقولات کی منتہی کتب افق المبین، شرح اشارات، حواشی جدیدہ وقدیمہ پڑھ کر علوم کی تکمیل کی۔ (تذکرہ کاملان رام پور)

اخلاق و عادات: حضرت استاذ الاساتذہ اپنے حسن واخلاق کی وجہ سے تمام لوگوں میں یکساں مقبول تھے، صاحب تقویٰ، کریم النفس سادہ روش، وسیع الاخلاق، طلبہ پر شفیق، صوفی مشرب اور صاحب تصرف بزرگ تھے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر)

درج ذیل واقعہ سے شفقت اور خورد نوازی کا عکس صاف جھلکتا ہے، جون پور میں سیرت رسول کی تقریب تھی، مولانا سید سلیمان اشرف کی تقریر ہو رہی تھی، زبردست اجتماع تھا، مولانا اپنے مخصوص والہانہ جوش و وارفتگی کے ساتھ تقریر کر رہے تھے، حاضرین کی خاموشی کا یہ عالم تھا جیسے سارا مجمع ایک ہی متنفس ہو، اتنے میں دور سے ایک بوڑھا۔ پستہ قد، منحنی شخص جھکا ہوا، انبوہ کو چیرتا ہوا، نظر آیا، جس شخص کے پاس سے گزرتا وہ خوف وعقیدت سے سمٹ کر تعظیم دیتا، دیکھتے دیکھتے اسٹیج پر پہونچ گیا، مرحوم (سید سلیمان اشرف) کو سینہ سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور واپس چلا گیا''۔

یہ مولانا ہدایت اللہ خاں جون پوری مرحوم (سید سلیمان اشرف) کے استاذ اور جون پور میں اس وقت علم وفضل کے چشم و چراغ تھے۔ (الف مصدر سابق)

آپ کے عادات و اطوار کا تذکرہ کرتے ہوئے سید اقبال احمد رقم طراز ہیں:

''حضرت مولانا ہدایت اللہ رام پوری صرف فقیہ، فلسفی، منطقی، عالم اور مدرس ہی نہ تھے بلکہ ان کا شمار فقراے کاملین میں بھی ہے۔ وہ اولیاے کرام کے مراتب اور ولایت کے منصب سے آگاہ تھے''، ان کا یہ واقعہ مشہور ہے، اسے جناب حکیم امیر علی اور جناب حکیم شفا نے بھی بیان کیا ہے:

''حضرت مولانا موصوف کا تازندگی یہ معمول تھا کہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر کام کرتے وقت، یا غوث الاعظم ضرور کہتے تھے، عصر کے وقت حاجی مراد علی کے گھر ضرور جاتے اور عصر کی نماز انہیں کے ساتھ ادا کرتے تھے''۔

اسی عبارت کے درج ذیل حصے سے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے نام کی برکت اور کرامت کا حیرت انگیز واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں'

ایک مرتبہ حکیم صاحب کے گھر نماز عصر ادا کرنے کے بعد واپس ہوئے اور یکہ پر سوار ہوتے وقت معمول کے مطابق، ''یا غوث الاعظم''، کہا، جب شہر کی مسجد کے قریب پہنچے یکہ کا پہیہ نکل کر سڑک پر آ گیا اور یکہ معلق رہا، یکہ وان نے پکار کر عرض کیا، حضور پہیہ نکل گیا ہے، آپ یکہ پر بیٹھے رہے اور

ارشاد فرمایا: لگالو، اس یکہ وان نے نہایت اطمینان کے ساتھ اس معلق یکہ میں پہیہ لگا دیا۔

دیگر حالات و واقعات:۔ حضرت استاذ الاساتذہ اپنے استاذ محترم مولانا جلال الدین کے چھوٹے بھائی حضرت شاہ چھوٹے میاں قدس سرہ کے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں مرید تھے۔

۱۳۰۰ھ میں مرشدہ آباد میں مشہور غیر مقلد بہاری عالم عبدالعزیز رحیم آبادی کے مقابلہ میں مذہب حنفی کی نصرت وحمایت فرمائی۔

۱۳۱۸ھ میں علمائے اہل سنت کے اجلاس میں شریک ہوئے جو ندوہ کی اصلاح کے لیے پٹنہ میں منعقد ہوا تھا۔ (باغی ہندوستان)

تلامذہ:۔ آپ سے اکتساب فیض کرنے والوں کا شمار بہت دشوار ہے۔ آپ (۱۸۵۷ء تا ۱۹۰۸ء) تقریبا اکیاون سال تک علم وفضل کے گوہر تاب دار لٹاتے رہے اور پروانے آپ پر قربان ہوتے رہے۔ آپ کی بارگاہ سے خوشہ چینی کرنے والوں کے علم کی برکات آج بھی پاک وہند کے گوشے گوشے میں بروجہ اتم جلوہ گر ہیں۔ چند مشاہیر تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) صدر الشریعہ، بدر الطریقہ علامہ شاہ محمد امجد علی اعظمی (متوفی ۱۳۶۷ھ) خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) ومصنف بہار شریعت، وکشف الاستار وغیرہ۔

(۲) استاذ العلماء، فقیہ العصر حضرت یار محمد بند یالوی (متوفی ۱۳۶۷ھ)

(۳) رئیس العلماء حضرت علامہ سید سلیمان اشرف متوفی ۱۳۵۸ھ) خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و سابق چیرمین اسلامک اسٹڈیز مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ۔

(۴) استاذ العلماء علامہ حکیم سید برکات احمد! ٹونکی (متوفی ۱۳۴۷ھ) شارح ترمذی وغیرہ (۵) مولانا عبدالسلام نیازی دہلوی

(۶) مولانا شیر علی متوفی (۱۳۵۴ھ) صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، دکن (تذکرہ علمائے اہل سنت)

(۷) مولانا لطف الرحمٰن مدرسہ عالیہ کلکتہ

(۸) مولانا محمد وکیل بنارس (۹) حکیم سید علی منصب دار حیدر آباد، دکن

(۱۰) مولانا عبدالاول بن مولانا کرامت علی، جون پوری، مصنف مفید المفتی وغیرہ

(۱۱) مولانا عنایت حسین بن رعایت حسین خاں، جون پوری

(۱۲) مولانا محمد اسماعیل خاں بن بدھو خاں، جون پوری

(۱۳) مولانا حافظ عنایت اللہ خاں بن حبیب اللہ خاں، رام پوری (متوفی ۱۳۴۵ھ) (تاریخ سلاطین جون پور) وغیرہ

سانحۂ ارتحال:۔ شعبان ۱۳۲۶ھ کو آپ پر فالج کا عارضہ لاحق ہوا، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو اطلاع ملی، آپ پٹنہ سے براہ راست جون پور استاذ الاساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت شدید فالج میں مبتلا تھے، زبان بند ہو چکی تھی، لیکن دماغی حالت درست تھی، علامہ سلیمان اشرف حاضر خدمت تھے عرض کیا کہ مولانا امجد علی آگئے، حضرت استاذ الاساتذہ نے آنکھیں کھول دیں اور پہچان لیا، اشارے سے سلام کا جواب عنایت فرمایا اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعائیں فرماتے رہے، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ۲۹ر شعبان تک جون پور میں حاضر خدمت رہے اس کے بعد مولانا سلیمان اشرف سے یہ کہہ کر وطن روانہ ہوئے کہ ''اگر مزاج اقدس میں کوئی تغیر رونما ہو تو بذریعہ تار مجھے اطلاع دیجیے گا''۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے وطن پہنچنے کے دوسرے دن، بروز دوشنبہ، پانچ بجے شام، یکم رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کو حضرت استاذ الاساتذہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور حضرت قطب الاقطاب مولانا شیخ عبدالرشید جون پوری قدس سرہ (متوفی ۱۰۸۳ھ) مصنف مناظرہ رشیدیہ کی درگاہ رشید آباد میں دفن ہوئے۔ مصرع تاریخ وفات یہ ہے۔

''شد نہاں مہر اوج فلسفیات''

(تاریخ سلاطین جون پور)

سید عبدالحکیم نقوی قائم گنجوی نے تاریخ وفات اس طرح کہی ہے۔

مولوی ہدایت اللہ خاں　صاحب علم و زہد عقل وشعور
چوں بماہ صیام رحلت کرد　از جہاں سوئے خلد، حور وقصور
بردل دوستاں و شاگرداں　رنجش و کرب وغم نمودہ ظہور
داشت در جملہ علوم کمال　بود معقول او مگر مشہور
فکر تاریخ چوں نمود حکیم　گفت ہاتف کہ ہاں بگو مغفور
۱۳۲۶ھ

(تذکرہ علمائے اہل سنت)

سلطان المناظرین کا مناظرانہ کردار

مولانا الحاج مشتاق احمد برکاتی

سلطان المناظرین، غیظ المنافقین، حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی عتیق الرحمٰن خان نعیمی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ، تحریر وتقریر اور تدبیر وتفکیر جیسے میدان کا ایک عظیم شہ سوار ہونے کے ساتھ میدان مناظرہ کے بے تاج بادشاہ بھی تھے۔ غرضیکہ تمام تر صفات محمودہ اور اوصاف حمیدہ میں سے آپ کا یہ بھی ایک نمایاں وصف ہے جس کے ذریعہ آپ عوام خواص میں مشہور ہیں۔ اور فی الحقیقت تمام محصلہ علوم وفنون کے ساتھ آپ کے اندر مناظرانہ صلاحیت بھی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ بلاشبہ آپ اپنے دور میں خصوصاً سرحدی علاقے کے مناظر اعظم اور سلطان المناظرین تھے۔ مناظرانہ طاقت وقوت کے اعتبار سے آپ کا نام سننے کے بعد علوم کے رستمِ زمانہ اور فنون کے سہرابِ وقت کے بھی ماتھے پر پسینہ آنا یقینی تھا۔ وہابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کے بڑے سے بھی بڑے مناظر، وہ چاہے جتنے بھی بڑے خرانٹ ہوں آپ کے سامنے دودھی دہن اور شیر خوار ہی ثابت ہوتے تھے۔ آپ کی مناظرانہ شوکت وسطوت کی دھمک ہی سے مقابل کا پتہ پانی ہونے لگتا تھا۔ اور اگر مقابل یہ سوچ کر ٹھہرا رہتا کہ راہ فرار اختیار کرنے میں بڑی رسوائی ہوگی تو اس کے چھکے چھوٹ جایا کرتے تھے۔ نہ جانے کتنے ایسے اوقات ولمحات زمانے کی آنکھوں میں موجود ہیں کہ سب ا کیے جائیں تو ایک دفتر کی شکل موجود ہوجائے۔ اس مختصر سے مضمون میں اتنی گنجائش ہی کہاں۔ پھر بھی مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر دو مشہور و معروف مناظروں کی مختصر اور اجمالی روداد ہدیۂ ناظرین ہے تاکہ دعویٰ بلا دلیل نہ رہ جائے۔

ابتداءً اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آپ نے ایسے دور میں آنکھیں کھولیں کہ آپ کا پورا علاقہ غیر مقلدیت زدہ تھا۔ حتیٰ کہ آپ کے خاندان والے بھی مسلکاً غیر مقلد تھے۔ خاندان کے کچھ لوگ بڑھنی بازار سے قریب بڑھنی ڈھبروا روڈ پر واقع موضع دودھونیا میں آباد تھے۔ مسلکی اعتبار سے وہ بھی اسی مرض میں مبتلا تھے۔ نیز چیزوٹا کپلوستو نیپال موضع کدربیٹوا یہ ایک دیوبندی مکتبۂ فکر کے مشہور عالم عبدالرؤف فاضل رحمانی کا آبائی وطن تھا۔ یہ صاحب موقع پر دیوبندی مکتبۂ فکر کے مشہور ومعروف مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال متصل بڑھنی بازار کے مہتمم تھے۔

الحاصل مذکورہ تینوں مواضعات کے لوگ مسلکاً ہم عقیدہ تھے۔ معاشی خوش حالی اور جسمانی طاقت وقوت کی بنیاد پر شہ زوری اور لٹھ بازی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ گویا چاروں طرف سے عقیدۂ باطلہ کے پرچارک اور ضلالت وگمراہی کے ناشرین بہرطور کوہ ہمالہ کی مانند تھے۔ اور اس بیچ آپ ہی اہل سنت وجماعت کے پہلے عالم دین اور مسلک اعلیٰ حضرت کے یکہ وتنہا علم بردار تھے۔ بدیں سبب آئے دن غیر مقلد علمائے اہل سنت وجماعت کے عقائد ومعمولات پر آپ کو چھیڑتے ضرور تھے لیکن نتیجتاً منھ کی کھاتے تھے۔

آپ کے طالب علمی کا زمانہ تھا۔ خاندان میں کوئی شادی تھی۔ اتفاق سے آپ بھی اس وقت مدرسہ سے گھر آئے ہوئے تھے۔ آپ کو بھی اس مجلس میں بلایا گیا۔ جس میں فاضل رحمانی سمیت دو چار غیر مقلد عالم پہلے ہی سے موجود تھے۔ طوعاً وکرہاً آپ بھی وہاں تشریف لائے۔ آپ کا مجلس میں پہونچنا تھا کہ غیر مقلدین علما کی طرف سے چھیڑ خانی شروع!

آپ نے فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ پر گفتگو ہی کرنی ہے تو دن تاریخ مقام متعین کر لیجیے اور بحث کسی بھی مسئلہ پر عوام وخواص کے سامنے ہو، تاکہ سب کو پتہ چلے کہ کون حق کا پرستار ہے اور کون باطل کا علم بردار۔ بالآخر فاضل رحمانی صاحب آپ کے اس مناظرانہ چیلنج کو منظور نہ کرتے ہوئے سرکار ابد قرار ﷺ کو حاضر وناظر ماننے سے متعلق قرآن وحدیث سے ثبوت کا مطالبہ کرنے لگے۔

سلطان المناظرین نے آیۂ کریمہ " وماارسلنٰك الا رحمة للعالمين " (ترجمہ:۔ اے محبوب ہم نے آپ کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا) کی روشنی میں لفظ ''رحمت'' کے حوالے سے سید عالم ﷺ کا حاضر وناظر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا باحیات اور احوال امت

سے باخبر ہونا معاً امت کی فریاد پر پہونچ جانے کا اختیار رکھنا نیز پوری امت سے قریب ہونا بھی ثابت کیا۔بس کیا تھا! فاضل رحمانی اوران کے تمام ہم نواؤں کو منھ کی کھانی پڑی۔انھیں چھٹی کا دودھ یادآ گیا اورسب کے سب حیران وششدر رہ گئے۔

غیرمقلدین کوآپ کی شان مناظرانہ یک لخت نہیں بھاتی تھی۔ آپ بھلے ہی پورے علاقے میں تنہا تھے۔پھر بھی جب مقام نبوت،شان رسالت اورمسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت اوراس کی برتری پرآپ کے مدلل ومبرہن بیانات شروع ہوئے۔غیر مقلدیت اور دیگرعقائد باطلہ کے کے لوگوں کومکمل ننگا کر دیا۔ستر چھپانے کے لیے دیوار کا سایہ بھی نہیں میسر آرہا تھا۔مدلل اور مسکت رد، منظر عام پر آچکا تھا۔غیر مقلدین وہابی مولویوں کے چھکے چھوٹ گیے تھے۔ہرطرف کھلبلی مچی ہوئی تھی۔آذری مشعل کی شعاعوں میں سمت سفر طے کرنے والے''بت بے بس ہے'' کا عملی جامہ پہن چکے تھے۔

پھر کیا تھا! چاروں طرف سے لایعنی اورمحض غیرعلمی سوالات کے سہارے آپ پردھونس جمانے کی ہرممکن کوشش کی جانے لگی۔کہ کسی بھی طرح سے آپ اپنا یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں! مگر شیرنران روباہ صفت مولویوں کی گیدڑ بھبکیوں سے مرعوب ہونے والا کہاں؟ عزم وہمت کا کوہ ہمالہ بن کرڈٹے رہے۔

اسی بیچ غیرمقلدین علما کی طرف سے''قرأت خلف الامام'' کےعنوان پرمناظرہ کی پیش کش ہوئی۔آپ نے بھی بہ خوشی قبول کرلیا۔اور دن تاریخ کے ساتھ میدان مناظرہ بڑھنی اورکرشنانگر(جھنڈانگر) کا بارڈر متعین ہوا۔

مناظرہ کے دن،تاریخ اور جگہ کی خوب شہرت ہوئی۔متعینہ تاریخ پرغیرمقلدین کی طرف سے بہ حیثیت مناظر،مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کے قابل فخر،مناظرانہ نشیب وفراز سے واقف،مشہورترین ماہراستاذ اور پچاس سالہ شیخ عبدالرحمٰن ڈوکمی کا انتخاب عمل میں آیا۔ان کے ساتھ ایک درجن سے بھی زائدان کے اپنے ہم خیال وہم مشرب اوربھی علما تھے۔کتابوں سے لدی ایک بیل گاڑی بھی ان کے ساتھ تھی۔

ادھراہل سنت و جماعت کی جانب سے بہ حیثیت مناظرایک نوعمر اورکم سن جس کی ابھی ریکھیں نکلنا شروع ہوئی تھیں یعنی سلطان المناظرین تھے۔آپ کے ساتھ حدیث شریف کی دو،تین کتابیں تھیں۔اوربس!

مناظرہ شروع ہوا۔مسلک حقہ کےعلم بردارسلطان المناظرین نے آیت کریمہ "واذا قرأالقرآن فاستمعواله و انصتوا لعلكم ترحمون"

(ترجمہ:۔اور جب قرآن پڑھاجائے تو اسے کان لگا کرسنو، اورخاموش رہو،تاکہ تم پررحم ہو) کی تلاوت فرمائی۔ساتھ ہی ساتھ اصول و قوانین اوردلائل و براہین کی روشنی میں ثابت کیا کہ قرأت خلف الامام کسی بھی صورت درست نہیں۔اس کا اثرمجمع پر کچھ اس طرح مرتب ہوا کہ سب کے سب حیرت واستعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہوگیے اورمدمقابل کوپسینہ آ گیا۔

اب مجمع ڈوکمی صاحب کے جواب کا شدت سے منتظر تھا۔مگر صاحب کی بولتی بند ہوچکی تھی۔بالآخر ایک لمبی خاموشی کے بعد مہرسکوت توڑے بھی تو قرآن کے مقابلے میں حدیث شریف''لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب''لائے۔سلطان المناظرین نے بہ بانگ دہل اعلان فرمایا قرآن کے مقابلے میں قرآن لاؤ! یا تو پھر یہ اعلان کروکہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے ثبوت میں پورے قرآن میں کہیں کوئی آیت نہیں ہے۔حدیث شریف سے متعلق گفتگو بعد میں ہوگی۔اتنا سننے کے بعد ڈوکمی صاحب کوجیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ایک چپ ہزار چپ!اوراسی پرمناظرہ ختم ہوگیا۔نتیجتاً نعیمی کچھار کے شیرببرنے میدان مارلیا۔یہ ہےآپ کے سلطان المناظرین ہونے کی مختصرسی جھلک۔

اس مناظرہ کے بعدسلطان المناظرین کی مناظرانہ سَطوَت اور آپ کی شوکت علمی کا ڈنکا اطراف وجوانب میں بجنے لگا۔سنیت نکھرنے لگی۔لوگ سواداعظم کی پیروی کرنے لگے۔حقانیت کا چراغ جلا۔اس کی روشنی دوردورتک پھیلی۔بستی،گونڈہ اور نیپال جگہ جگہ اس کے جلوے پھیل گئے۔علم وعرفان اور رشدوہدایت کی رعنائیاں آپ ہی کے وسیلے سے ہیں۔درحقیقت سلطان المناظرین چراغ گونڈوی ہوکرقوم کی تقدیر بن گئے۔انھوں نے مسلک ناجی کی پاسبانی اورترجمانی کا بیڑا اٹھایا اورافق عالم پرچھاگئے۔

جہان علم وحکمت آپ کو''سلطان المناظرین'' کی حیثیت سے جانتی ہے جب کہ عوامی سطح پر''بابائے ملت'' سے مشہورومقبول ہیں۔سلف صالحین بالخصوص حضورصدرالافاضل علیہ الرحمہ کے چہیتے اور ماہرعلوم عقلیہ ونقلیہ علامہ مشتاق احمد کان پوری کےمحبوب نظر رہے۔احقاق حق اورابطال باطل آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔آپ کی پوری زندگی ابتلاءوآزمائش کا آئینہ دار تھی۔مگرکسی بھی موڑ پرآپ کا پائے استقلال متزلزل نہ ہوا۔

علامہ کیفی بستوی

ایک ہمہ جہت شخصیت

متعلمہ گل افشاں امدادی شعبۃ البنات جامعہ مٹہنا

یہ حقیقت ہے کہ آفاقی شخصتیں اور مجمع الکمالات ہستیاں ہی اس بات کی اہلیت رکھتی ہیں کہ دنیا سے جانے کے بعد تاریخی اوراق ان کے احوال وکوائف کو اپنے دامن کرم میں جگہ دیتے ہیں ؂

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں!

نتیجتاً استاذا ء ممتاز الادباء جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ حکیم شاہ محمد کیفی قادری بستوی نوراللہ مرقدہ کی ذات گرامی عوام وخواص بالخصوص علما فضلا کے درمیان محتاج تعارف نہیں ۔آپ کی ذات بابرکات بہرحال ہمارے لیے نورھدایت اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ولادت ۔ مورخہ ۲۳؍رجب المرجب ۱۳۶۷ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۸ء بروز منگل بمقام دھوبہا، کھلنگا ڈیہہ، سدھارتھ نگر، آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کے والد کا نام منشی رضا ہے۔

تعلیم ۔ خداوند قدوس نے آپ کو ذہانت وفطانت کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ جونیر ہائی اسکول کٹھیلا میں درجہ ہشتم اعلیٰ درجے سے پاس کرکے پدر بزرگوار اور دیگر اہل خانہ کی چاہت کے مطابق ۲۸؍محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۶۲ء بروز اتوار جامعہ اہل سنت امدادالعلوم، مٹہنا، کھنڈسری، سدھارتھ نگر، یوپی، میں داخلہ لیے، عمر تحصیل علم کے لیے نہایت مناسب تھی۔ محنت وانہاک سے تحصیل علم میں لگے رہے۔ ادھر ذہن ثاقب نے ساتھ دیا منزل مقصود کی تلاش میں قدم آگے بڑھاتے رہے۔ بالآخر علوم وفنون کی جملہ مروجہ کتب متداولہ میں مہارت تامہ حاصل کیے۔ اور امتیازی حیثیت سے جلد ہی کامیاب ہوگئے۔

فراغت ۔ مورخہ ۴؍ربیع النور ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۳؍اپریل ۱۹۷۱ء بروز جمعہ مبارکہ شمس الجامعہ علامہ مفتی زین العابدین شمسی سابق صدرالمدرسین جامعہ ہذا کی صدارت میں مقتدر ومشاہیر علما ومشائخ کے مقدس ہاتھوں سند ودستار فضیلت سے نوازے گیے۔

اوصاف جمیلہ ۔ دوران طالب علمی اساتذۂ کرام کا احترام بالخصوص علماے اہل سنت کا ادب، طلبۂ جامعہ کے ساتھ اچھا برتاؤ اور وقت کی پابندی اپنے اوپر لازم وضروری قرار دیتے ہوئے جامعہ کے جملہ قوانین وضوابط پر کما حقہ عمل پیرا رہنے کے حتی الامکان کوشاں رہتے تھے۔ یہی وہ اوصاف جمیلہ تھے جن کی بنیاد پر آپ اساتذۂ کرام کے محبوب نظر اور طلبہ کے درمیان محترم ومکرم رہے۔

درس وتدریس ۔ بعد فراغت حضور شمس الجامعہ کے توسط سے جامعہ کے ارباب حل وعقد نے مورخہ یکم شوال المکرّم ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۰؍نومبر ۱۹۷۱ء بروز سنیچر آپ کو بحیثیت نائب صدرالمدرسین منتخب کیا۔ اس طرح سے آپ نے اپنے مادر علمی ہی سے درس وتدریس کا آغاز کیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

شادی ۔ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں آپ کی شادی ہوئی، قدرت نے آپ کو کل آٹھ اولاد سے نوازا جن میں تین صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں شامل ہیں۔

تبلیغ دین ۔ بحمدہ تعالیٰ یہ علم دین ہی کی برکت ہے کہ آپ کی ذات والا صفات کی بدولت آپ کے اس کوردہ اور پسماندہ علاقے میں بھی آج علما کی ایک اچھی خاصی فوج تیار ہے۔ نیز گاؤں گاؤں ہی نہیں بلکہ ہر گھر شمع دین مصطفیٰ کی تابناک کرنوں سے جگمگا رہا ہے۔ پورا علاقہ علم وحکمت کا حسین گہوارہ بنا ہوا ہے۔

جگہ جگہ مدارس ومساجد کی پرنور عمارتیں اپنی نورانیت کو بکھیرتی ہوئی عام وخاص کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔ بلاشبہ آپ ڈاکٹر اقبال کے شعر ؂

یقیں محکم، عمل پیہم ،محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

کی عملی تصویر تھے۔آپ نے ہمیشہ تمام شعبہ ہائے زندگانی سے متعلق ہر کام یقین محکم ،عمل پیہم اورانتہائی محنت ولگن کے ساتھ کرنے کی کوشش کی ۔نتیجتاً ہر میدان میں فتح ونصرت نے آپ کے قدم ناز کا بوسہ لینا باعث صدافتخار سمجھا۔آپ کا پرچم اقبال دن دونی رات چوگنی ترقی کی راہ پر گامزن رہا۔

عرفان وآگہی۔ شبانہ روز قوم وملت کی فلاح و بہبوداور نونہالان اسلام کوزیورعلم سے آراستہ کرنے کے لیےخوابوں میں بھی کوئی نہ کوئی خاکہ بنانا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔درس وتدریس سے متعلق اوقات کی پابندی آپ کاخصوصی وصف تھا نیزآپ جامعہ کی تعلیمی وتعمیری ترقی کے لیے ہمہ وقت حتی الوسع ساعی رہے۔

ابتدا تا انتہا آپ جامعہ میں انتہائی خوداعتمادی ،دل چسپی اور پوری محنت ولگن کےساتھ تعلیم وتعلم نیز دیگرفرائض منصبی میں ہمہ تن مصروف عمل رہے۔نتیجتاً تھوڑے ہی عرصہ میں علم وفن کے اس عظیم مفکر کی علمی وعملی شوکت وشہرت نے آسمان چھولیا۔

زر بکف،گل پیرہن،رنگیں ادا،آتش بہ جام
ایک قطرہ سو طرح سے سرخ رو ہو کر اٹھا

شعبۃ البنات۔ ماہ شوال المکرّم ۱۴۳۰ھ بمطابق ماہ ستمبر۲۰۰۹ء جامعہ ہذا میں شعبۃ البنات کا قیام عمل میں آیا اورآپ اس کے صدرمنتخب ہوئے۔

ریٹائری۔ ۱۸/رجب المرجب ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۰/جون ۲۰۱۰ء بروز چہار شنبہ (بدھ) گورنمنٹی اعتبار سے ۶۲/سال پر آپ ریٹائر ہوئے۔یعنی آپ کی سرکاری مدت ملازمت ختم ہوئی۔پھربھی آپ کی علمی لیاقت و قابلیت اور خدا داد صلاحیت نیزعلمی میدان میں کم و بیش ۴۰۔۴۲سالہ تجربات کے تناظر میں جامعہ کے ارباب بسط وکشاد نے آپ کواسی عہدے پر برقرار رکھا۔

۲۰۰۹ء سےلیکر۲۰۱۴ءکم وبیش پانچ سال کی قلیل مدت میں آپ نے اپنےعلم وعمل اورتعلیمی تجربات کی روشنی میں شعبۃ البنات کوجو حیرت انگیزترقی اورغیرمعمولی تقویت عطا کی،وہ اپنی مثال آپ ہے۔

جامعیت۔ آپ ایک فقید المثال عالم دین اور جید مفکر ہونے کےساتھ ساتھ کہنہ مشق مدرس،خوش طبع خطیب،لائق وفائق مصلح،متحرک وفعال مبلغ،لا جواب مدبر،مخزن طب وحکمت ،بے بدل مصنف ،قادرالکلام شاعر،بلندپایہ ادیب اور بےمثال خوش نویس بھی تھے۔

حلیہ وسراپا۔ لمبا قد،گورا رنگ،آفتابی چہرہ ،خوب صورت آنکھیں،ناک قدرے بلند،ہونٹ پتلے،دانت متوسط کان کی ساخت و بناوٹ مناسب وموزوں،ہاتھ کی انگلیاں لمبی ،پاؤں کی انگلیاں ایک دوسرے سے جدا،سر بدن کے موافق (نہ بہت بڑا نہ بہت چھوٹا بلکہ متوسط) مونچھوں کا درمیانی حصہ چھوٹا اورشوارب قدرے دراز،داڑھی نہ بہت گھنی اورنہ بہت ہلکی۔ گردن مثل صراحی،سینہ متوسط (نہ بہت چوڑا نا ہی بہت تنگ)

ملبوسات۔ لباس وغیرہ کا استعمال بتقاضاے وقت حسب استطاعت ہی کرتے ۔آپ کے ملبوسات سنت کے موافق زیادہ تر سفید ہی رہتے۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ نہایت وجیہ،نفاست پسنداورحاضرجواب تھے۔

تواضع وانکساری۔ رب قدیر نے بھلے ہی آپ کو جملہ علوم وفنون میں نادرروزگاراور یکتاے زمانہ کا مقام رفیع عطا کیا تھا۔مگرآپ کےاندرانانیت،غرور، ⇦اورنفس پرستی نام کی قطعی کوئی چیز نہ تھی۔

فخر جامعہ مٹھنا۔ جامعہ مٹھنا میں باضابطہ داخلہ لے کر حصول علم دین میں مشغول ہونے والی پہلی ذات آپ کی تھی،گویا آپ کی ذات بشکل طالب علم جامعہ کی خشت اول کی حیثیت رکھتی ہے(بحوالہ:رجسٹر داخل خارج نمبرا،جامعہ ہذا)

وصال پرملال۔ مرضی از ہمہ اولی کےتحت اورکل نفس ذائقۃ الموت کے تناظر میں ۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۸/مارچ ۲۰۱۴ءبروزسنیچر دن میں ایک بجکر۵/منٹ پرعلوم وفنون کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیےغروب ہوگیا۔ان اللہ وان الیہ راجعون ؂

فنا کے بعد بھی باقی ہےشان رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اےامیر کارواں تم پر

قمر ملت! مختصر تعارف

مولانا وصال احمد اعظمی ✋ حی

استاذ ا ✍ ء حضرت علامہ الحاج قمرالدین قمر اشرفی علیہ الرحمہ سابق پرنسپل شمس العلوم گھوسی یکم جولائی ۱۹۳۹ء کو محلّہ کریم الدین پور گھوسی میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم شمس العلوم میں داخلہ لیا، آپ نے قدوری تک وہیں تعلیم حاصل کیا۔ اس وقت وہاں شارح بخاری حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ العزیز صدرالمدرسین تھے۔

۱۹۵۱ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لے گئے، وہاں درجہ سابعہ تک آپ نے پڑھا۔ ۱۹۵۵ء میں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ کے ہم راہ دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات چلے گیے۔ اور وہیں ۲۵/ مارچ ۱۹۵۶ء کو سند و دستار فراغت سے نوازے گئے۔

آپ کے معروف و مشہور اساتذہ میں، حضور حافظ ملت، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، شیخ ا ✍ ء علامہ غلام جیلانی میرٹھی، علامہ عبدالرؤف بلیاوی، علامہ مبین الدین محدث امروہوی، مفتی محمد شریف الحق امجدی، علامہ سمیع اللہ امجدی، علامہ سعید احمد فتح پوری علیہم الرحمہ کا نام شامل ہے۔ اور رفقاے درس کے حوالے سے علامہ سید اظہار اشرف کچھوچھوی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، علامہ حفیظ اللہ اعظمی، علامہ عزیزالحسن اعظمی، علامہ شفیق احمد عزیزی، جیسی علمی شخصیات کا نام ملتا ہے۔

قابل فخر اور مشاہیر تلامذہ کے تناظر میں مولانا فخرالدین نظامی، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، مولانا رضوان احمد شریفی، مولانا افتخار احمد ✋ حی، مولانا قاری احمد جمال، پروفیسر خواجہ اکرام دہلی، مولانا غلام رسول بلیاوی، مولانا فروغ احمد اعظمی، کے اسماے گرامی اظہر من الشمس ہیں۔

حضور شیخ ا ✍ ء علیہ الرحمہ کی ترغیب پر دوران تعلیم مبارک پور میں پیر طریقت علامہ سید مختار اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے مرید ہوے جب کہ شہزادۂ حضرت اشرفی میاں علامہ سید محمد مصطفیٰ اشرف علیہ الرحمنہ نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرما کر بلا طلب خلافت عطا فرمائی۔ جس کی زیارت فقیر راقم السطور نے شہزادۂ قمر ملت کی معرفت کی ہے۔ آپ کو سلسلۂ تیغیہ کی خلافت حاصل ہے۔ اور ۲۸/ اپریل ۲۰۰۵ء بروز جمعہ مبارکہ علامہ سید حامد حسن الجیلانی نے سلسلۂ قادریہ، نقش بندیہ، مجددیہ اور منوریہ کی اجازت و خلافت بھی عنایت فرمائی فلحمد للہ علیٰ منہ وکرمہ۔

حضرت قمر ملت مجھ حقیر پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ ۲۰۰۶ء میں حضرت نے بلا طلب سند حدیث عطا فرمائی۔ جس کی اجازت فخر المحدثین علامہ عبدالمصطفیٰ علیہ الرحمہ نے دی تھی۔ وصال سے ایک ہفتہ پہلے صحاح ستہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور ساتھ ہی ساتھ سلسلۂ اشرفیہ کی خلافت سے بھی نوازا۔

علم و فضل کا یہ آفتاب عالم تاب یکم فروری ۲۰۱۷ء بروز چہار شنبہ رات میں ۸/ بج کر ۵۸/ منٹ پر ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

الوداع اے فاضل علم شریعت الوداع الوداع
الوداع اے ہادی راہ طریقت الوداع
تو نے بخشی، اک جہاں کو، علم و عرفاں کی، ضیا
وارث علم نبوت درحقیقت الوداع

مولاے قادر و قیوم حضرت قمر ملت علیہ الرحمہ کے مرقد انور پر رحمت و نور کی بارش برساے اور انھیں جنت الفردوس میں بلند و بالا جگہ عطا فرماے۔ آمین!

اسلام میں تحفظ نسواں کا تصور

فاضلہ سلیم النساء محمدی معلّمہ شعبۃ البنات جامعہ مٹہنا

جب ہم عورت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے تاریخ عالم کا جائزہ لیتے ہیں، تو بہت ہی بھیانک منظر سامنے آتا ہے، عورت کو محض ایک کھلونا سمجھا جاتا تھا، اس کی کوئی وقعت اور کوئی حیثیت نہیں تھی، بقراط، سقراط اور افلاطون جیسے مشہور زمانہ مفکر و مدبر سمجھے جانے والے لوگ بھی عورت کو ذرۂ ناچیز سے کم تر سمجھتے تھے، مزید جب ہم آگے بڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس بے چاری پر اس قدر ظلم کیا جاتا تھا کہ جب کسی کو اس کا ماہانہ عارضہ لاحق ہو جاتا تو اس درمیان اس کو اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ گھر میں عام لوگوں کی طرح رہے بلکہ اس کا دانہ پانی الگ کر دیا جاتا تھا، اس کو ایک کمرہ میں قید کر دیا جاتا تھا، اب وہ عورت اس کمرہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی تھی، جب تک وہ اپنے ایام سے فارغ نہ ہو جائے، ذرا سی باتوں پر بری طرح مارا پیٹا جاتا تھا، اور ان کے ناک کان، کاٹ لیے جاتے تھے، عرب کے کچھ قبیلوں میں دستور تھا کہ ان کے گھر جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو اس نومولود بچی کو زندہ قبر میں دفن کر دیتے تھے، کتنا ظالمانہ ماحول رہا ہوگا، جب ایک بے خطا اور بے قصور بچی کو زمین میں گاڑ دیا جاتا رہا ہوگا، اسی کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا واذا المؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت، جب اس زندہ درگور ہو جانے والی (بچی) سے پوچھا جائے گا کس جرم پر تجھے قتل کیا گیا؟ سماج اتنا گر چکا تھا کہ باپ کی موت پر لڑکے اس کی زمین جائیداد پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے باپ کی بیویوں پر بھی قبضہ کر کے ان کو اپنی باندی اور کنیز بنا لیتے تھے، وہ بے چاری چاہ کر بھی کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ عرب کے بعض قبیلوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا، تو اس عورت کو گھر سے نکال کر ایک تنگ و تاریک کمرہ میں ایک سال تک قید رکھا جاتا، اس درمیان نہ وہ غسل کر سکتی تھی، نہ کپڑے بدل سکتی تھی اور کھانا پانی جانوروں کے جیسا ان کے آگے ڈال دیا جاتا۔ بہت سی عورتیں تو گھٹ گھٹ کر دم توڑ بیٹھتی تھیں اور جو زندہ بچ جاتیں تو ان کے آنچل میں اونٹ کی مینگنی ڈال دی جاتی اور ان کو مجبور کیا جاتا کہ وہ اپنے بدن کو کسی جانور سے رگڑیں پھر پوری آبادی میں اسی گندگی کے ساتھ چکر لگائیں، اس طرح کا کام کرنا یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب اس کی عدت پوری ہو چکی ہے! ہمارے اس ملک ہندوستان میں ایک بہت ہی خطرناک رسم تھی جس کو ''ستی پرتھا'' کہا جاتا تھا، جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو ہندو سماج کے لوگ اس کے شوہر کی لاش کو لکڑیوں کے ڈھیر پر رکھ کر جلا دیا کرتے تھے (جو آج بھی جاری ہے) اب اس عورت پر لازم ہوتا کہ اپنے شوہر کے ساتھ جو کہ مر چکا ہے خود بھی اس ''چتا'' (یعنی وہ لکڑیوں کا ڈھیر) پر جا کر جل کر مر جائے، کیوں کہ اب اس کو جینے کا حق نہیں رہا، اس طرح سے ایک زندہ عورت جلا کر خاک کر دی جاتی بغیر کسی جرم و خطا کے۔ غرض کہ ہزاروں ابواب ہیں ظلم و بربریت کے، کس کس کو وا کیا جائے۔ لیکن قربان جاؤ! پیغمبر دو جہاں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر، جب آپ اسلام کا روشن چراغ لے کر اس دنیا سے ہر قسم کی تاریکی کو دور فرماتے ہیں، تو عورت پر ہونے والے مظالم کی کالی آندھیاں بند ہو جاتی ہیں اور کائنات پر اسلام کا سورج طلوع ہو کر ہر طرف امن وامان، عفو و درگزر، صلہ رحمی اور اخوت و محبت کی روشنی بکھیر دیتا ہے، وہ عورت جس کی پیدائش پر اس کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، مذہب اسلام اعلان کرتا ہے'' من کانت لہ ابنۃ فادبہا واحسن ادبہا وعلمہا فاحسن تعلیمہا کانت لہ منعۃ وستر امن النار'' جو شخص اپنی بیٹی کو اچھی تعلیم و تربیت سے مزین کر دے تو وہ لڑکی اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جاتی ہے (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۹۵۹)

اسلام نے عورت کو میراث میں حصہ دار بنایا جیسا کہ قرآن مجید سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ،مزید اس کی شان و مرتبہ کو بڑھاتے ہوئے اسلام اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ مال و دولت دوکان و مکان یہ سرمایہ تو ہے، لیکن کائنات کا جو سب سے قیمتی سرمایہ ہے وہ ہے نیک بیوی لیس من متاع الدنیا شیی المرأة الصالحة ،دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی چیز نیک بیوی سے افضل نہیں (ابن ماجہ بحوالہ سفینہ نوح ص۲۳۴) خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے عورتوں کے حقوق کو یاد دلاتے ہوئے قرآن بیان فرماتا ہے،ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف ،عورتوں کے مردوں پر ایسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر اچھے سلوک کے ساتھ (سورہ البقرہ)

دوسری جگہ پر فرماتا ہے وعاشروهن بالمعروف اور اچھے سلوک سے عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرو، (سورہ نساء)

ایک عورت کے لیے سب سے زیادہ اہم اس کے لئے اس کی عصمت وعفت ہے،اس ہوش ربا دور میں اس کی عصمت وعزت کی کوئی حیثیت نہ تھی اور آج بھی غیر اسلامی تہذیب میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی جاتی ہے قرآن میں اس کی عزت کی حفاظت کے لیے بہت ہی مضبوط اور محفوظ طریقہ بتاتے ہوئے واضح لفظوں میں بیان کیا گیا ہے وقر ن فی بیو تکن ولا تبر جن تبرج الجاهلية الاولیٰ اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو : (سورہ الاحزاب) ایک اور جگہ پر قرآن رہنمائی فرماتے ہوئے فرماتا ہے یا ایها النبی قل لاز واجک وبنا تک ولنساء المومنین ید نین علیهن من جلا بیبهن ذلک ادنی ان یعر فن فلا یو ذین اے نبی ﷺ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجیے کہ جب وہ گھروں سے باہر نکلیں تو وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کو ڈال لیا کریں، اس سے یہ ہوگا کہ وہ پہچانی جائیں گی (کہ یہ شریف پردہ والی عورتیں ہیں) تو ان کو ستایا نہ جائے گا،

یہاں پر ہم آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کروانا چاہیں گی کہ اس طرح کے نصوص جو عورتوں کے بڑے ہی فائدے کے لیے ہیں لیکن معاندین وحاسدین یا اسلام کی تعلیمات اور اس کے فوائد سے بے خبر جہالت کے صحرا میں بھٹکنے والے اعتراض کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں پر بڑا ظلم کیا ہے،ان کو چہار دیواری میں پابند سلاسل کر دیا ہے، پڑھنے لکھنے سے روک دیا ہے،ظاہر ہے کہ جب وہ گھر میں رہے گی تو زمانہ کے دوش بہ دوش کیسے چلے گی،تو ایسے حضرات کے لیے ہم یہ کہنا چاہیں گی کہ اسلام نے تعلیم سے روکا نہیں ہے بلکہ حصول علم کو جس طرح مرد پر واجب کیا ہے اسی طرح عورت پر بھی واجب کیا ہے، لیکن اس طرح نہیں کہ ایک عورت مردوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بنی رہے بلکہ شرعی پردہ کے ساتھ علم سے وہ آراستہ ہوسکتی ہے،اس لیے دین اسلام میں جس طرح ایک مرد پر حصول علم فرض ہے اسی طرح عورت پر بھی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے طلب العلم فريضة علی كل مسلم و مسلمة علم کا حاصل کرنا ہر مرد عورت پر فرض ہے۔

آج کے اس دور پر فتن میں پردہ، تعلیم نسواں اور مساوات کے نام پر عورتوں کو گمراہ کر کے دین اسلام سے بیزار کرنے کی ایک زبردست سازش ہو رہی ہے، میں خاص طور سے خواتین ملت سے نہایت ہی ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گی کہ آپ کو جو مراتب اسلام نے دیے ہیں وہ کہیں اور نہیں مل سکتے، آپ اللہ و رسول کی محبت میں زندگی گزاریں اور ماڈرن فیشن چھوڑ کر سنت رسول کو اپنائیں ،سیدہ خاتون جنت سیدہ ام المومنین عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہن ،دیگر صحابیات اور مقدس و پاکیزہ خواتین ملت کے نقوش پا اپنے لیے مشعل راہ بنائیں،تو دونوں جہاں میں سرخروئی اور عزت سے مشرف ہوں گی، اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے صدقے ہم سب خواتین ملت کو اسلامی اصول وقوانین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام میں حیا کا تصور

عالمہ شمع احمدی حبیبی معلّمہ الجامعۃ البرکاتیہ للبنات کرشنا نگر نیپال

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ہمیں جو دین دیا وہ دین، دین فطرت ہے۔ مرد اور عورت انسانیت کے دو خوبصورت تیور، انداز اور روپ ہیں۔ مرد کے وظائف و ذمہ داریاں۔ اور عورت کے وظائف و ذمہ داریاں دونوں الگ الگ ہیں۔

اس لیے کہ دونوں کو صلاحتیں اس اعتبار سے دی گئیں کہ مرد کو جفاکش اور سخت پیدا کیا گیا، اور عورت کے اندر لطافت ناز و انداز اور اس کے معمولات کے مطابق اس کو نوازا گیا مرد چونکہ کسب معاشی کر کے گھر کے نظم و نسق کو چلاتا ہے اور عورت امور خانہ داری میں مصروف رہتی ہے دونوں کے وظائف و احکام الگ الگ ہیں۔

عورت اس کائنات کی چہار دیواری کی زینت ہے مرد کائنات کے حسن کا بانکپن اور عروج ہے عورت کو شریعت نے پردے میں رہنے کی جو تاکید کی ہے اس میں عورت پر جبر و ظلم نہیں بلکہ یہ پردہ اس کے آبرو کا محافظ ہے بلکہ اس کے حیا کا تیور اور اس کی غیرت کا نشان ہے، یہ عورت کے لئے کوئی قید خانہ نہیں بلکہ یہ اس کا اعجاز ہے اور اس کی تکریم ہے۔

اللہ تعالی نے جو عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے یہ عورت کی آبرو ہے، کسی نے کہا عورت بدی کا سرچشمہ ہے، جب تک عورت سے جدائی اختیار نہ کی جائے۔ خدا کا قرب حاصل نہیں ہوسکتا لیکن اسلام نے عورت کو وہ مرتبہ دیا ہے، کہ بسا اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ ① کی بستر پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی آتی، کہیں عورت بدی کا سر چشیمہ قرار پائی جاتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی زوجۂ محترمہ کے بستر پر وحی کے نزول کا آثار نمایاں ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں، ایک خوشبو، دوسری نماز تیسری منکوحہ عورتیں، عورت کو اسلام نے ہی مرتبہ دیا لوگوں نے عورت کو ایک کھلونا سمجھا، اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تاریخ سے چھپا نہیں ہے، لیکن جب عورت کی کھلیں، کھلی اسلام نے اس کو عزت دی، ماں بہن بیٹی بیوی کے روپ کے اندر اس کو وقار کی مند پر بٹھایا گیا، تو جن لوگوں نے عورت کو کھلونا سمجھا تھا، وہی عورتوں کو للکار رہے ہیں کہ تیری آزادی میں ایک روکاوٹ ہے اسلام نے تجھے مخصوص حجاب کے اندر رکھ کر تیرا حسن پامال کر رکھا ہے اس لیے جس طرح تیرے من میں آئے اپنے حسن کی نمائش کرے تمہیں کوئی روک نہیں سکتا، عورت کو چہار دیواری سے نکال کر کے، انہیں محفلوں کی زینت بنایا، جبکہ عورتوں کو گھر کے اندر رہنا اس کے خلقت کا باعث ہے علامہ اقبال نے کہا ؎

اس راز کو عورت کی حقیقت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں مردان خرد مند
کیا چیز ہے آرائش وزیبائش میں زیادہ
آزادئ نسواں ہے زمرد کا گلو بند

یہ عورت کی فطرت ہی بتا سکتی ہے کہ اس کے لئے حسن کہاں ہے۔ وہ گھر کی زینت بننا پسند کرتی ہے یا نہیں، اپنے گھر کو سنبھال کر اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے۔

یا بنیٓ ادم قد انزلنا علیکم الخ۔ پ ۸ آیت نمبر ۲۶ اعراف بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس وہ اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائیں اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو یعنی لباس کے مقاصد بیان کئے گیے کہ لباس کے بنیادی مقاصد بھی ہیں، لباس سے گرمی اور سردی سے انسان کو بچانا دوسرا انسان کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا اور لباس کا تیسرا مقصد زینت دنیا لباس پہن کر انسان معزز لگتا ہے۔

اگر انسان لباس کے بغیر ہی معاشرے کے اندر چلنے پھرنے لگ جائے تو اس میں اور جانوروں میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ انسان کی ہئیت ہی ایسی بنائی ہے کہ اس کے لیے لباس ضروری ہے۔ اور ارشاد فرمایا و لباس التقوی ایک لباس پرہیزگاری کا ہے، اور فرمایا ذالک خیرہ یہ لباس بہترین لباس ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے یبـــنــــی آدم یفتننکم الشیطین کما اخرج ابویکم من الجنة یغز (الخ) پارہ نمبر ۸ آیت ۲۷ سورہ اعراف۔

یعنی اے اولاد آدم خبردار کہیں تمہیں شیطان فتنے میں مبتلا نہ کردے جس طرح تمہارے ماں باپ کو اس نے بہشت سے نکلوایا اور اترو ادیا ان کے لباس تا کہ ان کی شرم کی چیزیں نظر پڑیں بے شک وہ اور ان کا قبیلہ اور کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے یعنی شیاطین تمہیں دیکھتے ہیں اور تمہارے اوپر حملہ آور ہوتے ہیں۔لیکن تم شیاطین کو نہیں دیکھتے۔

بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا جو ایمان نہیں لائے تو شیاطین چاہتا ہے کہ ہم تمہارا لباس تارتار کردیں اور تمہیں برہنہ کردیں اور تمہارے تقوی کا بھی لباس چھین لیں اور وہ لباس جو تمہیں وہ سنت دیئے ہوئے ہیں۔

شیطان انسان کو بے حیا بنانے کے لیے ہمیشہ تاک وجھانک میں رہتا ہے،شیطان انسان کی آبرو کا دشمن ہے،اس نے رب ذوالجلال کے سامنے قسم کھائی تھی کہ تمہاری عزت وجلال کی قسم میں تیرے بندوں کو تجھ تک پہونچنے نہیں دوں گا،ان کے دائیں بائیں آگے پیچھے لگا رہوں گا۔لیکن اس وقت دو صفتیں بھول گیا تھا۔ایک اوپر والی دوسری نیچے والی۔

جب بندہ سجدے میں پیشانی رکھ دیتا ہے یا ہاتھ کو اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے تو شیطان انسان کے راستہ میں حائل نہیں ہو پاتا ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا،جس قوم کے اندر حیا نہیں باقی رہتی ،اس کا دین بھی باقی نہیں رہتا۔ایک شخص اپنے بھائی کو حیا کی تعلیم دے رہا تھا،اسی درمیان نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوئے اس کے بھائی کو حیا کے بارے میں تعلیم دیتے ہوئے سنا، تو فرمایا چھوڑ دو اس کو،حیا تو ایمان کا حصہ ہے،جب ایمان ہوگا تو لازمی طور پر حیا بھی ہوگی۔

حیا ایمان کا جز ہے:۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا الحیاء من الایمان فی الجنة و البداء ة من الجفاء والجفاء فی النار ۔(کننزالعمال)

حیا ایمان کی خصلتوں میں سے ہے اور ایمان جنت میں اور بے حیائی جفا کی خصلتوں میں سے ہے اور جفا جہنم میں ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور انسان کو ایسے طریقے بتاتا ہے جو اسے کامیابی کی منزل تک پہنچاتے ہیں بلکہ ایسے اخلاق سے مزین کرتا ہے جو اسے پاکیزہ اور امن وسکون والی زندگی گذارنے کا سلیقہ عطا کرتے ہیں۔

دین میں حیا کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ حضور ﷺ نے اسے ایمان کا جز قرار دیا ہے۔حیا کی وجہ سے انسان کے قول وفعل میں حسن وجمال پیدا ہوجاتا ہے لہذا باحیا انسان مخلوق کی نظر میں پرکشش بن جاتا ہے اور پروردگار عالم کے یہاں بھی مقبول ہوجاتا ہے۔

ایمان کی ستر شاخیں ہیں:۔الایمان بضع و سبعون شعبة فافضلها قول لااله الاالله واد نا ها اما طة الاذیٰ عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان (مشکوٰۃ،جلداول)

ایمان کی ستر شاخیں ہیں تو ان میں سب سے افضل لاالہ الااللہ ہے اور سب سے ادنیٰ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹادینا ہے اور حیا ایمان کی ایک بہت بڑی شاخ ہے۔

''حیا''مومن کی انتہائی محمود بڑی انمول،پسندیدہ اور نہایت ہی نرالی صفت ہے۔حیا مومن کی فطرت ہے،اس لیے جس مومن میں حیا نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس کے درخت سے ایمان کی بہت ہی بڑی شاخ کٹ گئی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اذالم تستحی فاضع ماشئت (بحاری،مشکوۃ) جب تمہارے اندر حیا ہی نہیں رہی تو پھر جو چاہو کرو۔(یعنی بے حیا اور بے غیرت انسان کو کسی کا خوف ولحاظ نہیں ہوتا) شریعت میں ''حیا''اس صفت کا نام ہے جو انسان کو ان تمام چیزوں پر ابھارے جو شریعت میں قبیح ہیں۔اور اسی بنا پر ارشاد نبوی ہے:الحیاء لایاتی بخیر، حیا خیر ہی کی موجب ہوتی ہے(مشکوٰۃ) حیا،سے صرف خیر حاصل ہوتی ہے ،حیا، پوری کی پوری خیر ہے، گویا انسان جس قدر باحیا بنے اتنی ہی اس میں خیر بڑھتی جائے گی۔حیا،ان صفات میں سے ہے جن کی وجہ سے انسان آخرت میں جنت کا حقدار بنے گا۔

الحیاء انقباض النفس عن الفسیح مخافة الذم (بیضاوی شریف) مذمت کا خوف کرتے ہوئے برے کاموں سے نفس کا سکڑا جانا۔اس کیفیت کا نام ''حیا'' ہے۔

حیا، یہ ہے کہ دنیاداروں کو دنیوی برائی سے اور دینداروں کو دینی برائی سے روک دیتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے حیا تمام طرح بدعقیدگی وبداعمال سے محفوظ رکھتی ہے۔چنانچہ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں۔ان الحیاء تغیر و انکسار عند خوف مالجاب وندم کسی کام کے ارتکاب کے وقت مذمت اور ملامت کے خوف سے انسان کی ہیئت کا متغیر ہونا حیا ہے۔

شرم وحیاء انسان کی ایسی مخصوص صفت ہے جو اپنے لغزش کے موقع پر سہارا دیتی ہے اور اس نیک جذبہ کا یہ اثر ہوتا ہے انسان اپنے جسم کے ان تمام حصوں کو پردہ میں رکھنے کی سعی کرتا ہے جو جنسی میلان میں ہیجان کی وجہ بن سکتے ہیں،ستر پوشی کا خیال اسی شرم وحیا کا نتیجہ ہے۔

جان احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

متعلمہ راشدہ انجم نظامی شعبۃ البنات جامعہ مٹہنا

شاہ مدینہ سرورعالم ﷺ کی گیارہ ازواج مطہرات امہات المومنین میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنھا پہلی اور ایک شریف النفس ،عفت مآب، پاک دامن، نیک طینت اور نہایت پارسا خاتون تھیں۔جن کی شرافت جگ ظاہر تھی۔اہل مکہ آپ کی پاک دامنی اور انتہائی پارسائی کی وجہ سے آپ کو طاہرہ (پاک باز) کہا کرتے تھے۔آپ کا شمار مکہ کے اہل دولت وثروت میں ہوتا تھا اور آپ تجارت کرتی تھیں۔

آپ اپنی چالیس سال کی عمر میں تاجدار مدینہ ﷺ کی زوجیت میں آئیں اور اپنی بقیہ تمام زندگی حضور ﷺ کی غم گساری اور خدمت گزاری میں صرف کردیں۔جب کہ اس وقت رحمت عالم ﷺ کی عمر شریف پچیس سال تھی۔(سیرۃ المصطفیٰ ،ملخصاً ص:۲۷) امام عشق ومحبت آپ کی بارگاہ میں یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ؂

سیما! پہلی ماں کہف امن واماں حق گزار رفاقت پہ لاکھوں سلام

رحمت عالم ﷺ کی نسبت سے رب قدیر نے آپ کو کل چھ اولاد سے نوازا تھا۔جن میں دو صاحبزادے (۱) محمد قاسم (۲) عبداللہ اور تین صاحبزادیاں (۳) زینب، رقیہ، کلثوم اور فاطمہ۔یہ شہنشاہ مدینہ سرور قلب وسینہ ﷺ کی سب سے چھوٹی مگر سب سے زیادہ پیاری اور لاڈلی شہزادی ہیں۔تمام صاحبزادیوں میں آپ ہی سرکار ﷺ کے وصال کے بعد (۶ر مہینے) تک باحیات رہیں۔

باختلاف روایت آپ کی ولادت اعلان نبوت کے پہلے سال یا پانچ سال پہلے ہوئی۔(سیرۃ المصطفیٰ ص:۵۲۰) آپ کے پیدا ہوتے ہی مشرق سے مغرب تک ساری دنیا میں اجالا پھیل گیا۔(خلد کا غازی،ص:۳۵) آقائے کریم ﷺ نے تحنیک فرماتے ہوئے آپ کا نام ''فاطمہ'' اور کنیت ''ام محمد'' رکھا اور لقب راضیہ، مرضیہ، میمونہ، ذکیہ اور زہرا عنایت کیا۔آپ کے القابات وخطابات مزید اور بھی ہیں مثلاً سیدۃ نساء العالمین، سیدۃ نساء اھل الجنۃ، زاہرہ، طاہرہ، بتول اور خاتون جنت وغیرہ۔

ایک روایت کے مطابق روح الامین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر قبل ولادت ہی فاطمہ نام رکھنے کی پیشین گوئی کر چکے تھے۔ساتھ ہی ساتھ یہ عرض بھی کئے تھے کہ یہ ان کا نسلی نام ہے۔جس کے معنیٰ پاک، پاکیزہ، بابرکت اور خجستہ اطوار کے ہیں۔(اوراق غم ص:۱۱۹)

آپ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔(مشکاۃ شریف:ص:۵۶۵،مطبع:مجلس برکات،خطبات محرم،ص:۲۶۴)

مشہور روایتوں کے مطابق اٹھارہ سال اور بعض روایتوں کے حساب سے ساڑھے پندرہ سال کی عمر ۲ھ میں آپ کی شادی ہوئی۔عقد اقدس میں بہ صورت مہر چار سو مثقال چاندی تھی یعنی پورے ایک سو ساٹھ روپے بھر (فتاویٰ رضویہ جلد ۵۔ص:۳۲۵)

شہنشاہ کونین نے اپنی پیاری اور لاڈلی بیٹی کو جو سامان جہیز میں دیا تھا ان میں ایک بان کی چارپائی، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، مٹی کے دو گھڑے اور چمڑے کا ایک گدا (جس میں روئی کی جگہ کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے) (سیر الصحابیات:ص:۱۰۰۔بہ حوالہ خطبات محرم:ص:۲۶۴)

شادی کے بعد جب آپ اپنے پیارے باپ کے نورانی گھر سے رخصت ہوئیں تو ستر ہزار فرشتوں کی جماعت کا حفاظتی دستہ آپ کی سواری کے پاؤں کی دھول چومتا جارہا تھا ساتھ ہی ساتھ جنت کی حوریں اپنی عفت و پارسائی کی بیش بہا چادر آپ کی راہ میں بچھاتی جارہی تھیں اور رضوان جنت آسمان سے پھولوں کی بارش کرتے جارہے تھے۔(خاک کربلا:ص:۲۶،۲۷) ؂

ہر قدم پر رحمتوں کے پھول ہوتے تھے نثار
جب چلیں تھیں فاطمہ سسرال میکہ چھوڑ کر

تاجدار دو عالم ﷺ کی شہزادی ہونے کے باوجود آپ اپنے گھر کا کاروبار خود کرتی تھیں۔مثلاً جھاڑو دینا، پانی لانا، کھانا پکانا، چکی چلانا، اور آٹا تیار کرنا وغیرہ یہ سب آپ کے ذاتی مشاغل تھے جس سے ہاتھ میں چھالے اور بدن کے بعض حصے پر گھٹے پڑ گئے تھے۔(خطبات محرم:ص:۲۶۵)

سرکار اقدس ﷺ جب حجرۂ بتول میں تشریف لاتے تو وہ آپ کی تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ سرکار مدینہ ﷺ آپ کی پیشانی کو چومتے اور بیٹھ جانے کا حکم فرماتے (ترمذی شریف، ص: ۲۲۷)

جب سیدہ بتول، جگر گوشۂ رسول فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ

① حجرۂ رسول ﷺ میں جاتیں تو امام الانبیا ﷺ اٹھ کر آپ کا استقبال کرتے (ترمذی شریف، ص: ۲۲۷، المستدرک، ج: ۳، ص: ۱۵۶)

روایتوں میں ہے کہ امام الانبیاء ﷺ اپنی بیٹی فاطمہ کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے جنت کی خوش بو آتی ہے۔ (ترمذی شریف: ج: ۲، ص: ۲۴۱، مشکاۃ شریف: ص: ۶۴۱)

اللہ اللہ! یہ ہے شان بتول جگر گوشۂ رسول کہ جس پیغمبر اعظم ﷺ کی تعظیم و تکریم کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کھڑے ہو جاتے ہیں وہ نائب رب اکبر سیدہ بتول کا اٹھ کر استقبال کرتے ہیں۔ یہ ایک باپ کی بیٹی سے محبت کی انتہا ہے۔ فی الحقیقت اپنی بیٹی فاطمہ کے ساتھ امام الانبیاء کی محبت تو وہ بحر ناپیدا کنار ہے جس کی حد تک پہونچنا ناممکن ہے۔

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں آپ کے فضائل و مناقب ظاہر و باہر ہیں۔ جن کا انکار نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کا انکار ہوگا، آپ کے فضائل و مناقب شمس و قمر کی طرح درخشندہ و تابندہ ہیں۔ بلاشبہ آپ حضور ﷺ کے نزدیک، اہل بیت اطہار میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

خاتون جنت سے حضور ﷺ کو بے پناہ محبت تھی۔۔۔ خاتون جنت !اہل بیت اطہار میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔۔۔ خاتون جنت کی غضب ناکی حضور ﷺ کی غضب ناکی ہے۔۔۔ خاتون جنت کو تکلیف دینا حضور ﷺ کو تکلیف دینا ہے۔۔۔ خاتون جنت جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔۔۔ خاتون جنت سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہیں۔۔۔ خاتون جنت انسانی حور ہیں۔۔۔ عبادت و ریاضت اور تقویٰ و طہارت میں بے مثال۔۔۔ سخاوت میں لاجواب۔۔۔ امت محمدیہ کی بخشش کے لیے بے چین و بے قرار، یہاں تک کہ آپ کی خواہش کے مطابق رب قدیر نے اپنے محبوب کی امت کی بخشش کا وعدہ فرمالیا۔۔۔ خاتون جنت پیکر شرم و حیا ؎

جن کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

آقائے دو عالم ﷺ کے وصال کا اثر یوں تو ہر مسلمان پر بہت ہوا کہ ایسا مصیبت کا دن انھوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ اور خاص کر حضور ﷺ کی لخت جگر نور نظر حضرت خاتون جنت کو بے انتہا غم ہوا کہ وہ رات و دن حضور ﷺ کی جدائی میں آنسو بہایا کرتیں ؎

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

مجھ پر ایسی مصیبتیں آ گئیں کہ اگر یہ مصیبتیں روز روشن پر آ جائیں تو وہ مارے غم کے رات ہو جائیں۔

رحمت عالم ﷺ کے وصال فرمانے کا آپ کو ایسا سخت صدمہ ہوا کہ اس واقعہ کے بعد آپ ہنستی ہوئی نہیں دیکھی گئیں۔ یہاں تک کہ ۶ ر ماہ بعد ۳ ر رمضان المبارک ۱۱ھ منگل کی رات میں آپ وصال کر گئیں۔ اس طرح اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب ﷺ کی پیشین گوئی ''میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی آ کر مجھ سے ملوگی'' پوری ہوئی۔

اے بنت رسول !دو جہاں تیرے پردے کے نثار، اے شہزادی کونین! ساری خدائی تیری پارسائی پر فدا اور اے خاتون جنت! ساری کائنات تیری شرم و حیا کے قربان۔ کہ تیرا نام پاک وسیلۂ نجات، تیرا ذکر جمیل باعث حسنات اور تیری چادر تطہیر سایۂ رحمت ہے۔

تجہیز و تکفین:۔ چوں کہ آپ کے مزاج اقدس میں انتہائی شرم و حیا تھی اس لیے عام رواج سے ہٹ کر بے پردگی سے بچنے کے لیے آپ کی تجہیز و تکفین میں ایک خاص قسم کی جدت اختیار کی گئی۔ چنانچہ قبل وفات ہی آپ کی خواہش کے مطابق یار غار رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے لیے لکڑیوں کا ایک گہوارہ بنایا، اسی میں چھپا کر آپ کا جنازہ لے جایا گیا۔ (خطبات محرم، ص: ۲۶۸)

''مدارج النبوۃ'' میں ہے کہ آپ کی نماز جنازہ حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔ اور صحیح و مختار قول کے موافق آپ جنت البقیع شریف میں مدفون ہیں۔ (خطبات محرم، ص: ۲۶۸)

سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جان احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

بیوٹی پارلر کیوں جائیں؟

رضوی عتیق الرحمٰن، نوری مشن، مالیگاؤں

نغمہ اور سلمٰی پرانی سہیلیاں ہیں........First K.G سے B.Sc. تک ساتھ تعلیم حاصل کی ہیں........ نغمہ نے .B.Sc کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے پونے شہر کا رخ کیا اور وہاں رہ کر انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے لگی........ سلمٰی نے ڈاکٹریٹ کے لیے علی گڑھ کا رُخ کیا اور میڈیکل سائنس کی تعلیم حاصل کرنے لگی........ یہی ان کی زندگی کا وہ موڑ تھا جس نے ان کے 18/سالہ ساتھ کو تعطل کا شکار کردیا........ سلمٰی کا خاندانی ماحول اسلامی ہے........ اس ماحول کے اثر نے اسے کالج اور یونیورسٹی کی پراگندہ فضا سے خود کو متاثر نہیں ہونے دیا........ نغمہ انجینئرنگ اور سلمی ڈاکٹریٹ سے فراغت کے بعد اپنی زندگیوں میں مصروف ہوگئیں........ اور ان کی ملاقاتیں بس عید اور دیگر تہواروں تک محدود ہوکر رہ گئیں........ آج تقریباً 5/سال کے بعد سلمٰی، نغمہ کے گھر آئی........ سلام ودعا کے بعد دونوں اپنی پرانی اور بچپن کی یادوں میں مگن ہوگئے........ تب ہی دروازے سے ایک جوان لڑکی نقاب میں داخل ہوئی .... اور سلمٰی اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی........ اور نغمہ سے دریافت کیا: سلمی یہ صالحہ ہے؟

نغمہ: جی ہاں ابھی .B.C.A میں ایڈمیشن کروایا ہے۔

سلمٰی: وہ ٹھیک ہے مگر آپ اتنا آزاد خیال کی طرف کیوں مائل ہوتے جارہی ہو۔ خود کی اور اپنے بچوں کی اخلاقی اور تہذیبی تربیت کی طرف کیوں دھیان نہیں دیتیں۔

(سلمٰی عمر میں نغمہ سے بڑی ہے، اور نغمہ اسے اپنی بڑی بہن مانتی ہے۔ اس لیے سلمٰی اسے اکثر ڈانٹ بھی دیتی ہے)

سلمٰی: دیکھا نہیں صالحہ کا برقعہ؟ کتنا چست پہنتی ہے، یہاں تک کہ اس کے جسم کی ساخت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں۔

نغمہ: کیا کریں زمانہ ہی ایسا ہے، ویسے بھی اس میں برائی کیا ہے؟

سلمٰی: آپ کے منہ سے یہ بات اچھی نہیں لگتی، ہمارا تعلق شریف خاندان سے ہے۔ ہمیں اپنی عزت اور عصمت جان سے پیاری ہونی چاہیے۔

اور تو اس نے ہمارے سامنے ہی برقعہ اتارا، میں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کے اس نے مردوں کی طرح جینس اور ٹی شرٹ زیب تن کر رکھی ہیں۔

دیکھو نغمہ ہم نقاب پردے کے لیے پہنتے ہیں نا کہ خود کی نمائش کے لیے، اب آج کل ایسے فیشن ایبل، باریک اور چست تیار کیے گئے برقعوں کا رواج پڑتا جارہا ہے۔ کہ اللہ ہی رحم کرے۔ جو چیز پردے کے لیے ہے اسے بھی بے حیائی کے اظہار کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کا آخری حصہ کچھ اس طرح ہے کہ:

''وہ عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی، مائل کرنے والیاں، مائل ہونے والیاں ان کے سر اونٹنیوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے، وہ نہ جنت میں جائیں گی نہ اس کی خوش بو پائیں گی۔ حالاں کہ اس کی ہوا اتنی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے۔''

اور آپ خود دیکھ لو ان فیشن ایبل کپڑے، برقعوں اور مردانہ لباس میں کتنا پردہ ہوتا ہے اور کتنا جسم چھپتا ہے؟ کیا ہم لوگ ایسے کپڑے پہن کر لوگوں کو اپنی طرف مائل ہونے کا موقع نہیں دیتے؟ دانستہ غیر دانستہ طور پر ہم دعوت نظارہ نہیں دیتے؟ جنت کے طلب گار بنتے ہیں اور کام ایسا کررہے ہیں کہ جنت کی خوش بو سے بھی محروم کردیے جائیں۔ دیکھو سنن ابو داؤد شریف؛ کتاب اللباس، ص 665/ میں حدیث پاک ہے؛ حدیث کا نمبر: 4101 ہے:

''حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ ① سے کہا گیا کہ ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ ① نے فرمایا: حضرت رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی مشابہت رکھنے والی عورت پر لعنت فرمائی۔''

اور ایک روایت سن لو ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ نے اپنی شہزادی خاتونِ جنت رضی اللہ ① سے پوچھا کہ: ''عورت کے لیے کیا بہتر ہے''؟... خاتونِ جنت رضی اللہ ① نے جواب دیا کہ: ''عورت کے لیے یہ بہتر ہے کہ نہ بے گانے مرد کو دیکھے۔'' نہ عورت کو غیر محرم دیکھے'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور تحسین فرمائی......

مجھے بہت افسوس ہورہا ہے نغمہ بچوں کی تربیت پہ دھیان دو، ورنہ کل بہت پچھتانا پڑے گا۔ اس کے بالوں کا رنگ دیکھو کیا یہ بیوٹی پارلر بھی جاتی ہے؟

نغمہ: اس کی کالج کی ساری سہیلیاں ایک جیسا میک اپ کرواتی ہیں ایک ہی بیوٹی پارلر سے۔

سلمٰی: اوہ! یہ بات ہے۔ ہماری بچیاں، عورتیں مغربی تہذیب کے پیچھے اندھا دُھند دوڑ رہی ہیں۔ ان کی تقلید میں یہ خیال بھی نہیں رکھتی کہ ہماری آخرت تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ دنیاوی نقصان الگ۔ ان بیوٹی پارلروں کا ماحول کیا ہے؟ وہاں کیا ہوتا ہے؟ آپ اس سے یقیناً بے خبر نہیں! ان دوکانوں کا مقصد کیا ہوتا؟ لوگ وہاں کس کام سے جاتے ہیں؟ آپ یہ خوبی جانتی ہیں...... حدیث پاک ہے رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور چہرے کے (ابرو کے) بال اُکھاڑنے والیوں اور حسن کے لیے دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں پر لعنت کی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خلقت کو بدلتی ہیں۔''

اس حدیث پاک سے جہاں اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ جسم کے بال اُکھاڑنا قطعاً ناجائز اور حرام ہیں اور ایسا کرنے والی اللہ تبارک و تعالیٰ کی لعنت کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ اس سے دوسری جانب یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو تاویل کچھ لوگ کرتے ہیں کہ بال اُکھاڑنے یا نکلوانے کی ممانعت ہے، جب کہ بلیچنگ میں تو صرف بالوں کو سنہری کیا (رنگ بدلا) جاتا ہے۔ تو اس کا جواب بھی اس حدیث کے آخری الفاظ میں موجود ہے۔ ''جو اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں''، یعنی کہ جیسا رنگ اور بالوں کی ہیئت اور شکل اللہ نے عطا کی اس کو بدلنا بھی گناہ کبیرہ اور ایسا کرنے والے بھی اللہ کی لعنت کے سزا وار ہوں گے۔

دوسرا مقصد میک اپ ہوتا ہے۔ صاف لفظوں میں کہوں یعنی عورت کو اس کے اصل سے بہتر بنانا۔ اس اصطلاح سے تو ہمارے عوام کی اکثریت واقف ہو گی لیکن پھر بھی وضاحت میں کوئی حرج نہیں: میک اپ میں عورت کے پورے چہرے، رخساروں، آنکھوں، ہونٹوں اور تھوڑی وغیرہ پر مختلف اقسام کی اشیائے میک اپ یعنی پاؤڈر، لپ اسٹک کریم لوشن وغیرہ لگائے جاتے ہیں۔ اور اس عمل میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ چہرے کے اصل نقوش بالکل غائب کر دیے جائیں۔ اور حقیقتاً سب سے بہتر بیوٹیشین بھی وہی سمجھی جاتی ہے جو میک اپ سے چہرے کے نقوش بدلنے میں زیادہ مہارت رکھتی ہو۔ گویا یہ لوگ اپنے ان ملعون افعال سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ نے انہیں بدصورت بنایا ہے جس کو یہ خوب صورت بنا رہے ہیں۔ تبھی تو پارلر میں ٹائم پاس کر کے آنے کے بعد بڑی شان سے پوچھتی ہیں ''اب کیسی لگ رہی ہوں!!'' اس کی وضاحت بھی پیچھے گزری حدیث میں موجود ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے، جو اللہ کی بنائی ہوئی چیز میں تبدیلی کرتے ہیں۔ یہ تبدیلی چاہے ''پلاسٹک سرجری سے ہو، چاہے آپریشن سے، چاہے بیوٹیشین کی حماقت سے''

سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔ سب کا ایک ہی حکم ہو گا۔ ان دکانوں میں بڑی شان سے مصنوعی بالوں کو سر میں فٹ کروانے جاتی ہیں۔ وِگ لگواتی ہیں، ''یف'' بنواتی ہیں۔ یہ سب کیا ہیں، یہ سب کچھ اسی زمرے میں شمار ہو گا، سب کے سب لعنت خدا کی سزا وار ہوں گے۔

(بیچ میں کسی خاتون نے کہا) مگر وِگ اور یف کا تو کسی روایت میں نہیں سنا پھر آپ کیسے کہہ رہے ہو کہ ان سب کا حکم بھی یہی ہے ہو گا؟

سلمٰی: یہ کون ہیں؟

نغمہ: یہ پڑوسن ہیں، جمیلہ آنٹی

سلمٰی: السلام علیکم ورحمتہ اللہ

جمیلہ اور نغمہ: (ساتھ میں) وعلیکم السلام

سلمٰی: دیکھو جمیلہ آنٹی، ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک خاتون آئیں اور عرض کی: کہ حضور میری لڑکی کو چیچک نکلی تو اس کے بال جھڑ گئے ہیں اور میں اس کا نکاح کر چکی ہوں، اس کے بالوں میں جوڑ لگا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے توڑ جوڑ لگانے والی جوڑ لگوانے والی دونوں پر لعنت کی ہے''۔ .... بخاری شریف میں یہ حدیث پاک بیان ہوئی ہے۔ اور نغمہ ابھی میں نے آپ کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث سنائی تھی کہ:

''وہ عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی مائل کرنے والیاں مائل ہونے والیاں ان کے سر اونٹنیوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے وہ نہ جنت میں جائیں گی نہ اسکی خوش بو پائیں گی حالاں کہ اس کی ہوا اتنی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے۔''

اس جملۂ مبارکہ کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ سب سے بہتر تفسیر یہ ہے کہ ''عورتیں راہ چلتے ہوئے شرم سے سر نیچا کریں گی۔ بلکہ بے حیائی سے اونچی گردن اٹھائے ہوئے ہر طرف دیکھتی لوگوں کو گھورتی چلیں گی، جیسے اونٹ کے تمام جسم میں کوہان اونچا ہوتا ہے ایسے ہی ان کے سر بھی اونچے رہا کریں گے۔''

حدیث شریف کے اس حصہ کی یہ تشریح، مفسر قرآن مفتی احمد یار خان نعیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی ہے۔ بتاؤ جمیلہ آنٹی کیا یف بنانے سے سر اونچا نہیں ہوتا؟

اللہ پاک ہماری بیٹیوں کو سمجھ دے۔ اور انہیں ہر قسم کے غیر شرعی کاموں سے بچائے۔

جمیلہ: مگر میک اپ اپنے شوہر کے لیے تو جائز ہے نا؟

سلمٰی: ہاں کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ شوہر کے لیے جتنا چاہو میک اپ کرلو کوئی گناہ نہیں، بلکہ شوہر کی رضا کے لیے ایسا کرنا باعث ثواب ہوگا....... مگر اس میں بھی یہ خیال رہے کہ آپ کا شوہر کے لیے بننا سنورنا، سجنا، اور میک اپ کرنا غیر محرموں کو نہ دکھائی دے، تو ایسا کرنا جائز ہے، ورنہ ''شوہر'' کی آڑ میں سارے ''شہر'' کو دکھاتے پھرنا قطعاً جائز نہیں۔ لیکن یہ بھی یادرکھیں کہ ہمارے گھر میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو شرعاً ہمارے لیے غیر محرم ہوتے ہیں۔ اور شوہر کے لیے بھی شرعی حدود میں ہی میک اپ کرنے کی اجازت دی گئی ہے، ایسا نہیں کہ غیر شرعی چیزوں کے ذریعے بھی بنا سنوارا جائے۔ جیسے آج کل سینٹ، اور ایسی خوش بوؤں کا استعمال ہوتا ہے جن میں الکحل (شراب) کی آمیزش ہوتی ہے۔ شراب جب یوں بھی قطعی حرام ہے تو پھر خوش بو میں کیوں کر جائز ہوسکتی ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا؟

جمیلہ: اچھا آپ کہاں پڑھاتی ہیں؟

سلمٰی: میں پڑھاتی نہیں ہوں آنٹی یہیں قرب شہر مکان ہے، اور ایک چھوٹا سا ہاسپٹل ہے۔

جمیلہ: کس مدرسے سے فارغ ہیں؟

سلمٰی: مسکراتے ہوئے نہیں میں عالمہ نہیں، میں تو ان کے قدموں کی دھول بھی نہیں۔

جمیلہ: پھر اتنی باتیں؟

سلمٰی: وہ کیا ہے نا جمیلہ آنٹی، ہمارے گھر میں شروع سے ہی دینی ماحول رہا ہے .... بچپن سے دینی ماحول کو دیکھتے آرہے ہیں....... مذہبی باتیں سنتے سمجھتے آرہے ہیں....... بچپن میں جب ابو جان اور بھائی جان وغیرہ ان سب لغویات سے روکتے ٹوکتے تھے، تو ہمیں پہلے برا لگتا تھا....... مگر آج سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی ڈانٹ ہمارے لیے کتنی ضروری تھی، اگر انہوں نے ہم پر سختی نہ کی ہوتی تو ہم بھی لچک اور ڈھیل کا سہارا لے کر زمانے کی زور کے ساتھ بہہ رہے ہوتے .... اور دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتے۔ اللہ ہماری تمام بہنوں کو سمجھ دے۔

جمیلہ: بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔

سلمٰی: جزاک اللہ! تو ہم لوگ بیوٹی پارلر کے بارے میں بات کر رہے تھے .... نغمہ بیوٹی پارلر میں جو تیسرا کام ہوتا ہے، وہ ہے مساج، یوں کہہ لو کہ یہ انتہائی شرم ناک پہلو ہے بیوٹی پارلر کا۔ لوگ یہاں جا کر ''فل باڈی مساج'' کراتے ہیں اور احمقانہ جواز پیش کرتے ہیں: ''مساج سے جلد کے خلیے عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ ڈھیلے نہیں پڑتے اس لیے جلد فریش رہتی ہے اور جھریاں نہیں بننے پاتیں۔'' حالاں کہ اس قول میں ذرہ برابر بھی سچائی نہیں، اگر ایسا ہوتا تو پارلر جانے والی کبھی بوڑھی نہیں ہوتی۔ جب کہ یہ عام مشاہدہ ہے کہ عمر کے ساتھ جلد پر فرق پڑتا ہے جو قانونِ فطرت ہے، اگر حقیقت کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر دیکھا جائے تو یقیناً کسی بھی مسلمان، باحیا عورت کو یہ زیب نہیں دیتا، بلکہ اس کا ذکر سنتے ہی شرم سے سر جھک جائے۔ مگر افسوس ہماری یہ مغربی تہذیب کی ماری خواتین اس قبیح فعل کو کرواتے ہوئے ذرا بھی حیا محسوس نہیں کرتیں۔

لہٰذا ہمیں ان سب باتوں سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بیوٹی پارلر اور بے ہودہ فیشن پرستی صرف ہمارا نقصان ہے۔ اگر سنجیدگی سے غور کریں تو اس میں نہ تو ہمیں یہاں کوئی فائدہ نظر آئے گا اور نہ ہی آخرت میں کوئی نفع۔ ویسے بھی ان دکانوں کے اسٹاف مخلوط ہوتے ہیں اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ لیڈیز اسپیشل پارلر بھی ہیں تو بھی جن احادیث کو ہم نے بیان کیا اُس کے پیش نظر تو ہمیں وہاں جانا ہی نہیں چاہیے۔ اور پھر آج کل کیا نہیں ہوتا۔ کیا آپ نے گزشتہ دنوں نیوز پیپر میں نہیں دیکھا کہ کرائم برانچ نے پارلر مالک کو اس جرم میں گرفتار کیا کہ وہ اپنے کسٹمر کی خفیہ کیمروں سے تصویریں لیا کرتا تھا۔ آپ کو پتہ ہے یہ نہ صرف تصویر لیتے ہیں بلکہ خفیہ کیمروں سے سارے کاموں کی ویڈیوز بھی رکارڈ کرتے ہیں۔ اور انہیں فاشیت کی تشہیر کرنے والی کمپنیوں کو بھاری داموں فروخت کردیتے ہیں۔ اور بھی بہت سی برائیاں ہیں، باتیں بھی بہت کرنی تھی، پھر کسی موقع سے کریں گے، وقت کافی ہوگیا۔

جمیلہ: تو پھر کیا کرنا چاہیے؟

سلمٰی: اتنی ساری برائیاں تو میں نے وہاں کی بتادی ہیں، آنٹی! اب آپ بتائیے کیا کوئی ماں یا میں چاہوں گی کہ میرے بچے فاشی کا اشتہار کریں۔ لوگ انہیں شہوت بھری نگاہوں سے دیکھیں؟

جمیلہ: نفی میں سر ہلاتے ہوئے، یہ تو ٹھیک ہے ہم ہماری بچیوں کو روک لیں، مگر سارا معاشرہ اسی دلدل میں پھنسا ہے، انہیں کیسے نکالیں؟

سلمٰی: ہاں یہ ایک اہم مسئلہ ماڈرنائزیشن کے نام پر، ساری قوم کو یہود و نصاریٰ کی طرز اور تقلید کے درپے لگا کے، اس قوم کو اپنی شناخت سے دور کیا جارہا ہے۔ اور ہم ہیں کہ ہوا کے ساتھ بہتے جارہے ہیں، دیکھو معاشرے میں انقلاب حکمت اور اہل علم سے آئے گا۔ اور ہمارے یہاں ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لڑکیوں کی دینی تربیت کا کوئی خاص انتظام نہیں، اور اگر کہیں ہے بھی تو والدین اتنے سست ہیں کہ انہیں دینی اداروں کا رخ نہیں کرنے دیتے۔ اور اگر کچھ سرپرست تیار بھی ہوجائیں تو ایسے بچے یا بچی کو اس فیلڈ میں ڈالتے ہیں جس سے وہ عصری تعلیم کے معاملے میں ناامید ہوچکے ہوتے ہیں! جو شرارتی اور بگڑے گئے ہوتے ہیں، اور نہیں سمجھتا کہ یہ کیا پڑ⌧ گے، روزانہ اسکول سے کال، ٹیوشن سے کال، گھر میں لڑائی، گلی محلے میں جھگڑا، اسکول والوں نے ایڈمیشن خارج کردیا، مرتا کیا نہ کرتا، چلو مدرسے میں ڈال دو سدھر جائیں گے۔ بے شک مدرسہ عظیم جگہ ہے، اخلاقیات کو سدھارنے کی، مگر کیا یہ صرف اسی کام کے لیے رہ گئے ہیں؟

مطلب یہ کہ ہمارا مقصد ہی نہیں رہ گیا کہ ہم بچوں میں خود میں اسپرٹ پیدا کریں کہ ہمارے بچے کو علم دین سکھائیں گے۔ اور جو آبھی جاتے ہیں نا آنٹی ان کی کیا پڑھائی چل رہی ہے، وہ کیسا پڑھ رہے ہیں، کب درس گاہ جاتے ہیں، کب آرہے ہیں، پاک صاف کپڑے، یونی فارم پہن کے جارہے ہیں یا نہیں کسی چیز کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔

.......اس کے برعکس اگر بچے انگلش میڈیم اسکول جارہے ہیں اور اسکول صبح 8/بجے کی ہے تو ماں 5/بجے اٹھ جائے گی، ناشتہ تیار کرے گی، بچے کو نہلائے گی دھلائے گی، کپڑے پہنائے گی، ناشتہ کروائے گی، پھر بچے کا بستہ خود اپنے کاندھے پر اٹھا کے اسے اسکول بس تک چھوڑ کے بھی آئے گی.......!! حیرت ہے ہم اتنی توجہ دینی تعلیم کے حصول پر کیوں نہیں دیتے؟ ہمیں اپنی فکر بدلنی ہوگی معاشرہ خود بہ خود بدل جائے گا۔اور آج کل انگلش میڈیم اسکولوں پر مشنریوں کے اثرات ہیں۔جو عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں.......اور دینی تہذیب وتمدن سے نابلد ہماری قوم کے بچے بڑی آسانی سے اغیار کی جھولی میں چلے جاتے ہیں.......پھر صرف نام کے مسلم رہ جاتے ہیں.......اور سارے کام صرف مسلمانی کو شرمانے والے کرتے ہیں.......ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا کہ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

خیر! چلو آنٹی پھر ملیں گے ان شاءاللہ..... چلو نغمہ، صالحہ کا خیال رکھو۔اللہ حافظ

دربار رسالت میں انتظار

متعلم محمد کیف رضا مشاہدی

ملک شام کے ایک بزرگ نے خواب دیکھا۔بہت ہی عالی شان دربار لگا ہوا ہے۔بے شمار نورانی ہستیاں جمع ہیں اور ایک تخت پر تاجدار عرب وعجم ﷺ جلوہ افروز ہیں۔پورے اجتماع پر سکوت طاری ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی آنے والے کا انتظار کیا جارہا ہے۔اس بزرگ نے سکوت توڑتے ہوئے عرض کیا، یا رسول اللہ میری ماں باپ آپ پر قربان! کس کا انتظار فرمایا جارہا ہے؟

پیارے مصطفیٰ کے لبہائے مبارک کو جنبش ہوئی الفاظ کچھ یوں تھے ''ہمیں احمد رضا ہندی کا انتظار ہے'' سوال ہوا ''سرکار کون احمد رضا؟'' ارشاد ہوا ''ہندوستان میں بریلی کے باشندہ ہیں'' پھر وہ شامی بزرگ بیدار ہوگئے۔امام اہل سنت کی غائبانہ عقیدت دل میں بھر گئی اور اس خوش نصیب کی زیارت کا شوق دل میں موجیں ماررہا تھا کہ یقیناً ''احمد رضا ہندی'' کسی زبردست عاشق رسول کا ہی نام ہے اس کی زیارت کرکے کچھ سیکھنا چاہیے۔چنانچہ وہ شامی بزرگ ملک شام سے بریلی شریف کی طرف روانہ ہوگئے۔بریلی شریف پہنچ کر لوگوں سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی قیام گاہ کا پتا پوچھا تو لوگوں نے بتایا کی اعلیٰ حضرت کا 25 صفر المظفر کو انتقال ہوگیا ہے۔شامی بزرگ نے انتقال کا وقت دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ آپ کے وصال کے وقت دو پہر کے دو بجکر اڑتیس منٹ (ہندوستان کے وقت کے مطابق) ہوئے تھے۔یہ سن کر وہ بزرگ آبدیدہ ہوگئے، کیوں کہ جب انہوں نے خواب میں سرکار ابد قرار کا دیدار کیا تھا اور سرکار نے بھرے دربار میں فرمایا تھا کہ ''ہمیں احمد رضا ہندی کا انتظار ہے،، وہ دن 25 صفر ہی کا تھا اور وقت بھی تقریباً وہی تھا۔اس وقت تعبیر نہ سمجھ سکے۔اب سمجھ میں آچکی تھی۔ ع

تم پہ ہو رحمت کا سایہ اے امام احمد رضا

(ملخصا از:۔سوانح اعلیٰ حضرت ص ۹،۸،۷،۳۰۷ مطبوعہ مکتبہ قادریہ اٹوابازار)

منظومات

شعرائے کرام

نعت رسول

اللہ ہم پہ اتنا کرم سرورا! کریں — ہم کو بھی اپنے در کی حضوری عطا کریں
ان کا غلام ہونے کا حق یوں ادا کریں — آؤ رسول پاک کی مدح و ثنا کریں
ہم ذکر،شاہ کون و مکاں کا کیا کریں — اللہ کرے کہ نجدی وہابی جلا کریں
اللہ نے دیا ہے انہیں اختیار یہ — جب چاہیں، جس کو چاہیں وہ فرماں روا کریں
مختار کائنات ہیں اللہ کے حبیب — کچھ بھی عجب نہیں کہ وہ جنت ہبا کریں
نجدی،وہابی ،رہزنِ ایمان ہیں ندیم — ہم کو یہ چاہیے کہ ہم ان سے بچا کریں

حضرتِ ندیم،سلطان پوری

نعت شریف

درودوں کے نغمے سجاؤ گے لب پر ،تو خوابوں میں آئیں گے آقا یقیناً
اگر دل میں الفت ہے طیبہ نگر کی، تو در پہ بلائیں گے آقا یقیناً
انہیں کی ہے دنیا،انہیں کی ہے جنت ، ہے دونوں جہاں میں انہیں کی حکومت
نہ آؤ گے مایوس تم ان کے در سے ،عطا سے نوازیں گے آقا یقیناً
جہاں کوئی حامی نہ یا ور رہے گا ،عدالت پہ محشر کا داور رہے گا
گنہ گار امت کی بخشش کی خاطر،خدا کو منائیں گے آقا یقیناً
سنا ہے رہِ خلد پر از خطر ہے یہ مانا کی نیچے ہی نارسقر ہے
مگر ہے بھروسہ شفیع امم پر ،وہاں کام آئیں گے آقا یقیناً
جوان کے غلاموں سے جلتا رہے گا ،جہنم میں بھی اس کو جلنا پڑے گا
جو عاشق ہیں ان کے انہیں حشر کے دن لوا میں چھپائیں گے آقا یقیناً
عطاے نبی میرے خواجہ پیا ہیں ،ضیا غوث اعظم کی احمد رضا ہیں
وسیلے سے ان کے ہمیں بھی ملے گی جو دولت لٹائیں گے آقا یقیناً
محبت نبی کی بسا لے تو دل میں ،اطاعت کا جذبہ جگا لے تو دل میں
مدد کے لیے پھر پکار ان کو ذاکر،مدد کرنے آئیں گے آقا یقیناً

مولانا ذاکر علی ذاکر بلرام پوری، استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی

منقبت

در شان اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ

دلوں پر آج بھی بیٹھا ہے سکہ اعلیٰ حضرت کا — جدھر دیکھو ادھر بجتا ہے ڈنکا اعلیٰ حضرت کا
گلوے اہل باطل پر ہے تیغا اعلیٰ حضرت کا — نہ مانگے گا وہ پانی، جو ہے مارا اعلیٰ حضرت کا
جہاں میں ہر طرف ہوتا ہے چرچا اعلیٰ حضرت کا — زمیں پر عرش کے نیچے ہے شہرہ اعلیٰ حضرت کا
نشان اہل سنت ہے محبت اعلیٰ حضرت کی — چلا کرتا ہے انگاروں پہ شیدا اعلیٰ حضرت کا
وہی بدل ہیں جو رکھتے حسد ہیں اعلیٰ حضرت سے — پٹخ دیتا ہے شیر نر کو کتا اعلیٰ حضرت کا
عجب! حاسد سمجھ پائے گا کیسے اعلیٰ حضرت کو — فراز چرخ سے اونچا ہے پایا اعلیٰ حضرت کا
مجھے اقبال نفرت ہے عدوے اعلیٰ حضرت سے — میں عاصی ہوں مرے سر پر ہے سایا اعلیٰ حضرت کا

اقبال اعظمی، کریم الدین پور، گھوسی، مئو

قطعاتِ کیفی بستوی

لاکھ کوشش کی گئی مجھ کو مٹانے کے لیے — دیکھ پھر بھی اے غمِ دوراں ابھی زندہ ہوں میں
عظمت رفتہ کے ویرانوں میں سرگرداں ہے تو — رونقِ ہنگامۂ امروز و آئندہ ہوں میں

شعور غم نگہ انتخاب لاتا ہے — ہر اک سوال خود اپنا جواب لاتا
کبھی کبھی کوئی ادنی سا فیصلہ دل کا — معاشرے میں نیا انقلاب لاتا ہے

ماخوذ: از۔ سوانح کیفی بستوی، ص:۷۰

منقبت

در شان حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز

رسول پاک کے شیدا ہیں حافظ ملت — عطا و لطف سراپا ہیں حافظ ملت
ادائے صدر شریعت ہے ان کا نقش قدم — ہمارے واسطے سایا ہیں حافظ ملت
یہ جامعہ کے در و بام دے رہے ہیں صدا — شعور و فکر میں یکتا ہیں حافظ ملت
طفیل حضرت امجد علی خدا شاہد — ''علوم دین کا دریا ہیں حافظ ملت''
کرم کی بھیک عطا کیجیے حضور ہمیں — کہ ہم بھی آپ کے منگتا ہیں حافظ ملت
وہ جن کو دیکھ کے یاد آتی ہے صحابہ کی — گدائے بوذر و طلحہ ہیں حافظ ملت
وصال کیوں نہ کرے ذکر ان کا صبح و شام — ہمارے ماویٰ و ملجا ہیں حافظ ملت

وصال احمد اعظمی حی، دار العلوم غوثیہ تیغیہ، رسول آباد، امیٹھی

منقبت

در شان سلطان المناظرین علیہ الرحمہ

شوکت علم کی تنویر عتیق الرحمٰن — پیکر حکمت و تدبیر عتیق الرحمٰن
فکر و فن،علم و ہنر،عشق و وفا میں کامل — لوح عرفاں کی ہیں تنویر عتیق الرحمٰن
سیرت پاک میں ہے فکر رضا کی خوشبو — اس گل عشق کی تفسیر عتیق الرحمٰن
روے ہستی سے نمایاں ہے نعیمی رنگت — ہو بہو ان کی ہیں تصویر عتیق الرحمٰن
اہل سنت کے لیے مثل چمن ان کی حیات — نجدیت کے لیے تعزیر عتیق الرحمٰن
دشمن دیں پہ غضب اب بھی ہے جاری ان کا — نجد پر شعلہ و شمشیر عتیق الرحمٰن
ہر جگہ وہ رہے گستاخ نبی پر غالب — ہیبت نعرۂ تکبیر عتیق الرحمٰن
اب بھی ہیں جن کے نشانے پہ وہابی نجدی — غیرت حق کے ہیں وہ تیر عتیق الرحمٰن
ان کے کردار سے نکھرا ہے وقار ملت — اہل ایماں کی ہیں توقیر عتیق الرحمٰن
خدمت دیں سے ملے ان کو بقا کے جلوے — عالم فانی کی تسخیر عتیق الرحمٰن
ان کے ہاتھوں سے ہوا کتنے مدارس کا قیام — جو ہر فن کی ہیں تعمیر عتیق الرحمٰن
تذکرہ ان کی بصیرت کا رہے گا جاری — فن کے خورشید جہاں گیر عتیق الرحمٰن
باعث عزت دارین ہے نسبت جن کی — ملک عرفاں کے ہیں وہ پیر عتیق الرحمٰن
بھائی ازہر پہ ہوئی خاص عنایت کی نظر — جن کے عرفاں کی ہیں تصدیر عتیق الرحمٰن
حشر تک چمکے گا مہتاب فضیلت جن کا — بزم حکمت کے ہیں وہ میر عتیق الرحمٰن
نبض ملت میں حرارت ہے فریدی جس سے — سرفروشی کی وہ تعبیر عتیق الرحمٰن

مولانا محمد سلمان رضا فریدی حی بارہ بنکوی، مسقط، عمان

تعارف

جامعہ اہل سنت امداد العلوم مٹھنا

کھنڈسری، سدھارتھ نگر یوپی

محل وقوع کے اعتبار سے اہل سنت و جماعت کا یہ دینی وعلمی قلعہ ہندوستان کے شمالی مشرقی یوپی ضلع سدھارتھ نگر، تحصیل اٹوابازار سے تقریباً دس کلومیٹر پورب، بلوامٹھوا روڈ پر بڑھیا (نوری چوراہا) سے اتر طرف کٹھیلا روڈ پر کم وبیش ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مردم خیز گاؤں مٹھنا میں واقع ہے،

۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں سلطان المناظرین ''بابائے ملت'' علامہ الحاج الشاہ مفتی عتیق الرحمٰن خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بانی مدارس کثیرہ) کے بابرکت ہاتھوں اس کی باضابطہ داغ بیل پڑی۔ ہر دور میں متحرک وفعال انتظامیہ کے زیراہتمام بلند فکر، دوربیں، ماہر علوم وفنون، اور جوہرشناس اساتذہ، شبانہ روز نونہالان قوم کی تعلیم وتربیت میں مصروف عمل رہے اور بفضلہ تعالیٰ آج بھی بیدار مغز ارکان کے باہمی تعاون کے زیر انتظام قابل فخر، محنتی، باصلاحیت اور نبض شناس معلمین ومعلمات، طلبہ و طالبات کے دلوں میں دینی وعصری علوم وفنون کے تئیں پھوٹتی ہوئی چنگاری کوشعلۂ جوالہ بنانے میں ہمہ تن مشغول ہیں۔

الحمدللہ! جامعہ کے فرزندوں میں سینکڑوں مفتی، محقق، مدرس، مصنف، مبلغ اور خطیب ہیں جو بشمول ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور ہندونیپال کے بیشتر معیاری دارالعلوم اور جامعات میں اسلام وسنیت کی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

جامعہ کے دائرۂ کار کا اجمالی خاکہ

(۱) شعبۂ درس نظامی: ابتدا تا فضیلت (۲) شعبۂ عالیہ: منشی، مولوی، عالم، کامل، فاضل (۳) شعبۂ فوقانیہ: ششم، ہفتم، ہشتم (۴) شعبۂ حفظ وقرأت: بہ روایت حفص (۵) شعبۂ تحتانیہ: درجہ اول تا پنجم (۶) شعبۂ نسواں: ابتدا تا دورۂ حدیث۔

ہائی اسکول معیار تک ریاضی (حساب)، انٹر معیار کی ہندی و انگلش، سائنس وجغرافیہ اور سلائی وکڑھائی وغیرہ کا بہترین نظم ونسق

آج وہ کل ہماری باری ہے

مولانا نورالہدیٰ ﷺ حی نوراللہ مرقدہٗ

جامعہ احمدیہ معراج العلوم، دھرم سنگھوابازار کا سانحۂ ارتحال

ملت اسلامیہ کے لیے ایک عظیم خسارہ

مولانا موصوف بہت سی خوبیوں کے مالک اور میرے عظیم محسنین میں سے تھے، اگرچہ میری اور ان کی بالمشافہ ملاقات صرف اور صرف ایک ہی بار، دو چار سال قبل عرس عزیزی کے موقع پر حضرت مولانا مفتی محمود علی مشاہدی ﷺ حی استاذ جامعہ اشرفیہ کے روم میں، کوئی دو تین منٹ کی رہی، تاہم موبائل کے ذریعہ گھنٹوں باتیں ہوجانا، مولانا کی خردنوازی کی منھ بولتی تصویر ہے۔

المختصر گوناگوں اوصاف کا مالک ہونے کے باوجود منکسر المزاجی آپ کا طرۂ امتیاز تھا، ہنس مکھی آپ کی فطرت ثانیہ تھی، مزاج فیاض تھا، خودداری دہلیز کی کنیز تھی، ان کے دروں خانۂ دل میں بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا، برجستگی کا وصف بھی لاجواب تھا ان کا، میرے انتہائی شفیق اور نہایت مہربان استاذ حضرت علامہ رفعت اللہ علیمی زاد فضلہ، استاذ جامعہ سراج العلوم برگدہی مہراج گنج، یوپی، سے بھی موصوف کے اچھے مراسم رہے، اس بنیاد جب بھی مجھ سے بات ہوتی تو وہ مجھے ''ازہر بابو'' ہی کہہ کر مخاطب کرتے، اور جب بات بہت لمبی ہوجاتی تو مجھ سے فرماتے ''فون رکھ کر سوجاؤ اور کوئی کام نہیں ہے؟'' اس پر بھی جب سلسلۂ کلام منقطع نہ ہوتا تو ہنستے ہوئے کہتے کہ ''اب بس کرو بھیا، ورنہ آپ کے استاذ سے شکایت کردوں گا''، استاذ سے مراسم کی بنیاد پر میرے نزدیک ایک استاذ ہی کی حیثیت تھی ان کی۔

عوام وخواص میں یکساں مقبول رہے، اس کا اندازہ جنازہ میں شرکت کے بعد ہوا، خصوصاً علم دوست خلقوں میں قدر کی نگاہوں کا نور تھے، جہاں سب کچھ تھے، وہیں عربی ماہ نامہ ''المشاہد'' کے مسئول العلاقات بھی رہے، اس تناظر میں حضرت علامہ ڈاکٹر انوار احمد بغدادی پرنسپل دارالعلوم علیمیہ (نسواں) جمداشاہی بستی کے حال کی ترجمانی رمرا رفیق مرے دل کا ترجمان گیا! قطعی بجا ہے۔

موصوف کے علاوہ اور بھی کچھ ایسی شخصیتیں داغ مفارقت دے گئیں، جن کا بھول جانا آسان نہیں، مثلاً شیخ طریقت، صوفی ملت حضرت سید عبدالرب علیہ الرحمہ، زیب سجادہ خانقاہ قدوسیہ، پرسونی، مہراج گنج، یوپی، پیر طریقت حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد مختار احمد رضا رحمہ اللہ علیہ، براؤں شریف، سدھارتھ نگر اور حضرت صوفی شاہ سخاوت علی برکاتی، مگہر، سنت کبیر نگر ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سوگ وار۔۔۔ازہرالقادری

مطبوعات: مکتبہ قادریہ اٹوا بازار، سدھارتھ نگر (یوپی)

♉ ئے مشکوٰۃ	350
تاریخ گنبد خضریٰ	200
آئینہ تاریخ	130
سوانح سید سالار مسعود غازی	80
بھیگی پلکوں کا بوجھ	100
اسلام اور شادی	100
جنتی زیور	150
قانون شریعت مکمل	180
حرمین شریفین اور نجدی	25
آئینہ تصوف	80
حج وزیارت (مع معراج کرم)	50
رسول اعظم اغیار کی نظر میں	50
قطب عالم جہانگیر ثانی	40
مسئلہ سیاہ خضاب	15
بزرگوں کی نظر میں امام پاک یزید ناپاک	20
تجلیاتِ حرم 23x36/16	50
عظمت نماز	50
شرح قصیدہ بردہ شریف	50
نورانی گلدستہ	50
طریقہ فاتحہ	10
عورتوں کی نماز	20
اسلام میں بریلوی ایک فرقہ؟	40
سیرت رسول اکرم	30
شمع خطابت	50
بزم خطابت	50
خطبات بنگال	25
خطبات نیپال	30
بچوں کی آسان تقریریں اول	25
بچوں کی آسان تقریریں دوم	30

گلدستہ نقابت (اناونسری)	25
بزم نور (اناونسری)	20
نورانی محفل (اناونسری)	10
بدر نظامت (اناونسری)	20
سنی اور وہابی کی پہچان	70
ہند کے مرشدِ اعظم	120
شادی اور طرز زندگی	80
بزرگ خواتین	180
رہنمائے مبلغات	140
سیرت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	140
سنی بہشتی زیور	220
مسنون دعائیں	20
خطبات نسواں	140
غیر اللہ کی تعظیم	25
تذکرہ حضرت امام اعظم	40
خطبہ علمی	35
قانون شریعت اول (80) دوم (100)	180
خواتین کی نماز اور جدید سائنس	100
چہل حدیث	10
عظمت عباد الرحمٰن	25
حیات ائمہ اربعہ	60
جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	25
نورانی سچی نماز	40
تعمیر ادب قاعدہ (4 کلر)	10
تعمیر ادب قاعدہ (سادہ)	6
تعمیر ادب اول	8
تعمیر ادب دوم	10
تعمیر ادب سوم	15
تعمیر ادب چہارم	20

تعمیر ادب پنجم	20
سوانح اعلیٰ حضرت	150
اسلامی اخلاق وآداب	160

درسی کتب

تعمیر قواعد اول	15	
تعمیر قواعد دوم	20	
امداد القواعد اول	15	
امداد القواعد دوم	25	
ازہار العرب (کلاں)	40	
ازہار العرب (خورد)	30	
مجانی الادب	50	
باکورۃ الادب	40	
تیسیر المبتدی	15	
فارسی کی پہلی	20	
فارسی کی دوسری	30	
عروس الادب	50	
گلزار دبستاں	40	
تلخیص اعراب	40	
امین النحو	30	
امین الصرف	30	
جواہر المنطق	60	
معرفۃ التجوید کلاں	15	
معرفۃ التجوید خورد	10	
✋ ح التجوید	15	
رہنمائے طب اول	30	
رہنمائے طب دوم	50	
تسہیل المصادر	20	
فیض الادب اول	35	
فیض الادب دوم	45	

YERALY "SHUAAYE FAIZANE RAZA" JAMIA MATEHNA MAY 2018 To APRIL2019==Vol:1 ISSUE No:1
po.khandsri,Distt,Siddharth nagar,(u.p.)India-Pin.No:272192 Editor in chief: Azharulqadiri- 9559494786,9450387786

شمالی مشرقی یو پی اور علاقۂ نیپال کی مشترکہ علمی، عملی اور روحانی شخصیت

سلطان المناظرین علامہ الحاج مفتی عتیق الرحمٰن خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے احوال وکوائف اور محاسن وکمالات پر مشتمل

سلطان المناظرین! حیات وخدمات
سلطان المناظرین! میدان مناظرہ میں
سلطان المناظرین اپنی تصانیف کے آئینے میں
سلطان المناظرین اور مدارس عربیہ کا قیام

کی کامیاب اشاعت کے بعد ۲۰؍محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۸ء تک یعنی بموقع ''عرس عتیقی'' درج ذیل مزید کتابوں کو منظر عام پر لانے کا عزم بالجزم

سلطان المناظرین اپنے تلامذہ کے آئینے میں
سلطان المناظرین! معاصرین کے تناظر میں
سلطان المناظرین! شخصیت اور کارنامے
سلطان المناظرین ارباب علم ودانش کی نظر میں

اور

معارف سلطان المناظرین

بتعاون خاص: الجامعۃ البرکاتیہ للبنات، کرشنا نگر، کپل وستو، نیپال

بعدہ

علامہ موصوف علیہ الرحمہ کا تاریخ ساز، معتدبہ ضخامت کا علم بردار اور عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا

بعنوان

سلطان المناظرین نمبر

کی پیش کش کا عظیم منصوبہ

زیر اہتمام
سال نامہ ''شعاع فیضان رضا'' جامعہ مٹہنا
پوسٹ کھنڈسری ضلع سدھارتھ نگر، یو پی

ناشر
علامہ کیفی اکیڈمی
رضا نگر، مٹہنا پوسٹ کھنڈسری ضلع سدھارتھ نگر، یو پی

زیر حمایت
''بزم فیضان رضا'' (طلبہ) جامعہ اہل سنت امداد العلوم مٹہنا پوسٹ کھنڈسری ضلع سدھارتھ نگر (یو۔ پی۔) انڈیا۔ پن نمبر ۲۷۲۱۹۲